‘پاکستان’

‘جرنیلوں’ کے شکنجے میں

مولانا محمد مثنیٰ حسّان

ادارۂ حطّین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’پاکستان‘
’جرنیلوں‘ کے شکنجے میں

مولانا محمد مثنی حسّان

ادارہ حطّین

فہرست

تمہید 1

قیامِ پاکستان اور ابتدائی ریاستی مشینری 4

پاکستانی فوج کا قیام اور پاکستان کے ابتدائی سالوں میں اس کا کردار 6

ابتدائی سالوں کی ملکی سیاست میں فوج کی دخل اندازی 9

ابتدائی سالوں میں سیاستدانوں کے مقابلے میں فوجی اثر ورسوخ 10

ابتدائی سالوں میں پاکستانی سیاست 'امریکی' مفادات کے زیرِ اثر 13

پاکستان پر جرنیلوں کا اقتدار 15

میجر جنرل اسکندر مرزا 15

اسکندر مرزا کا تعارف 15

قیامِ پاکستان کے بعد اسکندر مرزا کا کردار 16

اسکندر مرزا بطور چوتھا اور آخری گورنر جنرل اور پہلا صدرِ مملکت 22

اسکندر مرزا کی اسلام وشریعت دشمنی 23

جنرل ایوب خان اور پاکستان میں پہلا مارشل لاء 27

ایوب خان کا تعارف 28

جنرل ایوب خان کی سیاست میں مداخلت 30

جنرل ایوب خان کی اسلام دشمنی 32

جنرل ایوب خان اور امریکہ غلامی 36

جنرل آغا یحیٰی خان کا اقتدار 39

آغا یحیٰی خان کا تعارف 43

جنزل یحییٰ کا دورِ حکومت 44
جنزل یحییٰ اور بنگالی مسلمانوں کا قتلِ عام 44
ذوالفقار علی بھٹو اور کمانڈر انچیف جنزل گل حسن 46
جنزل ضیاء الحق کا اقتدار 48
ضیاء الحق کا تعارف 49
افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف ضیاء کی شرکت کی حقیقت 51
جنزل ضیاء الحق اور امریکہ کا 'یارانہ' 54
جنزل ضیاء الحق کا 'اسرائیل' کے ساتھ تعلق 55
ضیاء الحق کی پاکستان میں اسلامائزیشن کی کوششیں 56
جنزل ضیاء الحق کی موت اور جنزل اسلم بیگ کی حکمتِ عملی 58
آخری بات؛ فوجی جرنیل پاکستان کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتے، بلکہ وہ اس کی تباہی کا باعث ہیں! 60
جنزل راحیل شریف اور اس کا جانشین 'قادیانیت نواز' جنزل قمر جاوید باجوہ 60
'پاکستان' کے حقیقی محافظ اور خیر خواہ 'مجاہدین' ہیں! 63

تمہید

پاکستان میں پچھلے دو سالوں کی سیاست پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو بہت واضح طور پر ایک شخصیت چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے؛ جنرل راحیل شریف۔ ملک کے 'ظاہری' حکمران (صدر، وزیرِ اعظم، وفاقی کابینہ، صوبائی وزراء و کابینہ) اور عوام کے نمائندے تو بس مہرے نظر آتے رہے اور انھیں چلانے والا جنرل راحیل شریف ہی رہا۔ 'سپہ سالار' کے آہنی ہاتھوں نے دو سالوں میں اس ملک کو کس سمت میں چلایا؟ اس کا مختصر جواب 'اسلام سے دور، امریکہ کے حضور' ہے۔ یعنی مملکتِ پاکستان میں اسلام کے چاہنے والوں کے لیے اسلام پر عمل کرنا ہی دشوار بن گیا ہے، مدارس و مساجد کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے، 'دینداری' کو 'شدت پسندی' کا الزام دے کر اہلِ دین کو گرفتار کیا جا رہا ہے، معاشرے میں انھیں کم تر شہری بنایا جا رہا ہے، مجاہدین کو تو واجب القتل قرار دیا جا چکا ہے اور ماورائے عدالت 'جعلی' پولیس مقابلوں میں دیندار نوجوانوں کو چن چن کر شہید کیا جا رہا ہے۔ پوری ملکی مشینری کو جرنیلوں نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ ان دو سالوں میں سیاستدان جرنیلی فیصلوں کے سامنے بے بس رہے، فوجی نوعیت کا 'پاکستان آرڈیننس' پاس ہوا، غیر جمہوری 'فوجی' عدالتیں قائم ہوئیں جس کے فیصلوں کو کسی دوسری جگہ چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور ایسی عدالتوں میں 'موت' اور 'عمر قید' سے کم تر کوئی سزا نہیں، اظہارِ رائے پر تو اتنی پابندی لگ گئی کہ اسلام کی تعلیمات پر مبنی کتب تو سیکولر نظریات کے خلاف 'منافرت' پھیلانے کے سبب 'ممنوع' ٹھہری ہی، ملکی صحافت بھی ملک میں فوج کے ہر عمل کو 'سب اچھا' کہنے کے علاوہ کچھ نشر کرنے سے قاصر ٹھہری۔ گویا دفاع کے ساتھ ساتھ ملک کی معیشت، امورِ خارجہ و داخلہ، اطلاعات، قانون سازی ... سب ہی فوجی جرنیل کے ہاتھ میں نظر آئی اور فوجی جرنیل نے پورا ملک مغربی آقاؤں کی جھولی میں رکھ دیا۔

یہ وہ 'منظر نامہ' ہے جو پاکستان میں پچھلے دو سالوں میں دیکھنے کو ملا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس سارے منظر نامے میں وہ لوگ...جو صبح وشام 'جمہوریت' اور 'پارلیمان کی بالادستی' کے راگ الاپتے تھکتے نہ تھے اور فوج کو ۱۹۷۳ء کا آئین دکھاتے رکتے نہ تھے... چُپ سادھے ہیں، 'سول سوسائٹی' اور 'لبرل عناصر' ...جو ہمیشہ اس ملک میں ہر قسم کی 'آزادی و مساوات' کے لیے سر گرداں رہتے تھے... وہ بھی آنکھیں مُندے بیٹھے ہیں۔ اس ملک میں اسلام کے نفاذ کا نام لیا جائے تو یہ طبقے فوراً... جمہوریت اور آزادی و مساوات کا نعرہ لگاتے... خم ٹھونک کر کھڑے ہو جاتے ہیں، انھیں نفاذِ شریعت کی شکل میں 'حاکمیتِ عوام'، 'ریاستی رِٹ' اور 'حرمتِ آئین' پامال ہوتی نظر آتی ہے، لیکن اگر یہ پامالی فوج کرے اور فوج کی لاٹھی چل رہی ہو تو سب دم دبا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان طبقات اور فوج میں سب اختلافات کے ہوتے ہوئے ایک قدرِ مشترک ہے اور وہ یہ کہ اس ملک میں اسلام کسی قدم آنے نہ پائے اور 'مغربی تہذیب واقدار' کے نام پر 'دین بیزاری' و 'بے دینی' کو فروغ ملتا رہے۔ اسی مقصد کے تحت اہلِ دین پر زندگی کا دائرہ تنگ کیا جارہا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی ان کے کھینچے ہوئے خطوط پر چلنے لگیں اور ان خطوط کو اسلام سے 'متصادم' دیکھنے کی بجائے 'ہم آہنگ' دیکھنے لگیں۔ افسوس کہ بعض لوگوں نے معذرت خواہانہ رویہ اپنا کر یہ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

ان باتوں نے مجبور کیا کہ ہم اپنے خطے کے اہلِ دین اور عام عوام کے سامنے حقیقت واضح کریں۔ یہ بات سمجھائیں کہ پاکستان میں پہلے دن سے مغربی سامراج نے 'جمہوریت' کے نام پر دھوکہ دہی کا مشغلہ اپنایا تاکہ معاشرے کو اس کے ذریعے توڑ کر رکھ دیا جائے، مسلمانانِ پاکستان کے ذہنوں سے اسلامی عقائد و نظریات کو کھرچ کر انھیں مغربی افکار سے بھر دیا جائے، اسلام کے نام پر 'منافقت' اور 'زندقہ' معاشرے میں عام کیا جائے اور لوگوں میں کمزور قیادتیں پیدا کی جائیں، جبکہ قیامِ پاکستان سے ہی پاکستان پر اصل قوت اور اقتدار برطانیہ وامریکہ نے یہاں کی فوج اور جرنیلوں کو بخشا۔ برطانیہ وامریکہ بخوبی جانتے تھے اور ہیں کہ یہ فوج ہی اس خطے میں اہلِ دین کے اقتدار کو روکنے میں اصل طاقت ہے۔ پاکستان کی پوری تاریخ کا نتیجہ درج ذیل 'تین' باتیں ہیں:

1. پاکستان میں اصل قوت یہاں کی فوج اور اس کے جرنیل ہیں، وہی پاکستان کے اصل حاکم ہیں۔

2. یہ فوج اور جرنیل در حقیقت اس مملکتِ پاکستان میں امریکہ و برطانیہ کے نمائندے ہیں، وفادار غلام ہیں اور نمک خوار کارندے ہیں۔
3. اس فوج کے جرنیل اسلام دشمن ہیں، دین بیزار ہیں اور پاکستان میں اسلام و شریعت کے نفاذ میں بنیادی رکاوٹ ہیں۔

انھی تین باتوں کو تاریخی طور پر ثابت کرنے کے لیے یہ تحریر لکھی جارہی ہے اور اس تحریر میں انھی لوگوں کے حوالے درج کیے جارہے ہیں جو خود اس گندے کھیل میں شریک تھے، والعیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حالات کا درست فہم عطا فرمائیں، دشمن کو پہچاننے کی صلاحیت عطا فرمائیں، جس دین کا ہم نے نام لیا ہے، اس پر عمل کرنے والا بنائیں اور جس ملک کو اس دین کے نام پر لیا ہے، اس میں اس دین کا بول بالا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

قیامِ پاکستان اور ابتدائی ریاستی مشینری

قیامِ پاکستان کے حوالے سے دو باتوں کا جاننا از حد ضروری ہے۔

- پہلی بات یہ کہ تحریکِ پاکستان میں کس کس طبقے نے شرکت کی اور کتنی کی؟
- دوسری بات یہ کہ قیامِ پاکستان کی شکل میں ریاستی مشینری کن پُرزوں سے تعمیر ہوئی؟

ریاستِ پاکستان کی آئندہ تاریخ انھی دونوں باتوں کا عکس ہے۔

تحریکِ آزادی ہند… جس نے بعد میں تحریکِ پاکستان کی شکل اختیار کرلی، وہ ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا نام ہے۔ اس کی ابتداء کرنے والوں میں علمائے کرام اور مجاہدینِ دین کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہ تھا، ان کی سعی کا مقصد کافروں کی حکومت کا انکار وانہدام تھا اور یہ خالص دینی بنیادوں پر کھڑی کی گئی، اور اس کی آخری بڑی کوشش حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی ’تحریک ریشمی رومال‘ کی صورت میں وجود میں آئی۔ چونکہ یہ کوششیں اپنا حقیقی ثمر حاصل نہ کرسکیں اور دشمن نے بالخصوص ان کے مقابلے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تو یہ تحریکات کمزور ہوگئیں۔ ان کے مقابلے میں برطانیہ نے ان کوششوں اور تحریکوں کو پذیرائی حاصل ہونے دی جنھوں نے برطانیہ کے ساتھ ٹکراؤ کی سیاست کی بجائے مفاہمت کی سیاست اپنائی۔ ان تحریکوں کا زمانہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے دوسری جنگِ عظیم تک تھا۔ اس عرصے میں تحریکِ پاکستان شروع ہوئی۔ یہ تحریک بنیادی طور پر قومیت کے نظریے پر کھڑی کی گئی اور انھی لوگوں نے کھڑی کی جو سرسید کے نظریات کے حامل تھے۔ اس میں دین کو بنیاد نہیں بنایا گیا۔ یہ ’قومیت‘ کا نظریہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنایا۔ اس کے مقابلے میں کانگریس کی بنیاد بھی قومیت تھی۔ البتہ بعد میں جب تقسیمِ ہند حقیقت کا روپ دھارتی نظر آئی تو علمائے کرام نے بھی اس میں شرکت کی اور ان کی محنت سے بعض قوم پرست لیڈروں نے ریاستِ پاکستان کے وجود کے لیے قومیت کے ساتھ دینی بنیاد کو بھی اپنالیا۔ یوں تحریکِ پاکستان میں تین بنیادی طبقات شریک ہوگئے:

1. اسلام پسند قوم پرست سیاستدان
2. سیکولر نظریات کے حامل قوم پرست سیاستدان

3. علمائے کرام

علمائے کرام نے تحریکِ پاکستان کی تائید کی لیکن تحریکِ پاکستان کی زمام قوم پرستوں کے ہاتھوں میں رہی جن میں اکثریت سیکولر نظریات کے حامل قوم پرستوں کی تھی۔ مسلم لیگی رہنماؤں کے چند ایک نام تو یقیناً اسلام پسندوں کی فہرست میں آسکتے ہیں، گو ان کے لیے ہم نے اسلام پسند کی اصطلاح استعمال کی ہے کیونکہ وہ اسلام کے بارے میں واجبی سا علم ہی رکھتے تھے اور پاکستان میں اسی قدر اسلام لانے والے تھے جتنا انھیں علم تھا، لیکن اس کی اکثریت سیکولر نظریات کے حامل قوم پرستوں کی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہی سیکولر قوم پرست ہی مسلم لیگ اور پاکستان کی سیاست میں غالب رہے اور ان کے ساتھ وہ جاگیر دار شامل ہوگئے جو برطانوی دور میں بالخصوص انگریزوں کے وفادار خدّام تھے۔ محمد علی جناح کی پہلی کابینہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

علمائے کرام نے قیامِ پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کی بھرپور تائید کی اور مسلمان عوام کو ان کے حق میں تیار بھی کیا کیونکہ مسلم لیگ نے وعدہ کیا تھا کہ قیام کے بعد پاکستان کا نظام اسلامی احکامات کے مطابق چلایا جائے گا۔ لیکن قیامِ پاکستان کے معاً بعد سیاستدانوں نے علمائے کرام کو دھوکہ دینا شروع کردیا اور جلد ہی انھیں ملکی سیاست سے بے دخل کردیا۔ پاکستان کے پہلے دو گورنر جنرلز اور دو وزرا اعظم کو تاریخ دان کسی درجے میں اسلام پسندوں کے زمرے میں شامل کرسکتے ہیں ...جبکہ پاکستان میں حقیقی اسلام کا نفاذ ان کا مطمحِ نظر بھی نہ تھا...، لیکن تیسرے گورنر جنرل اور تیسرے وزیرِ اعظم کا تو اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ لیاقت علی خان کے قتل اور خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے ساتھ ہی پاکستان بنانے والی مسلم لیگ کی قیادت پاکستانی سیاست سے بے دخل ہوچکی تھی اور یہ محض چار سالوں کے اندر ہوگیا۔ ان چار سالوں میں بھی کام وہی ہوئے جو پاکستان کی 'ریاستی مشینری' نے کیے۔ اب یہ جانیے کہ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی ریاستی مشینری کن پرزوں سے تعمیر ہوئی۔

برطانیہ نے اپنے دور میں ہندوستان کا نظام چلانے کے لیے 'انڈین سول سروس' (ICS) کا نظام رائج کیا تھا اور اپنے دفاع کے لیے مقامی لوگوں پر مشتمل 'رائل انڈین آرمی' بنائی تھی۔ تقسیمِ ہند کے وقت انھی دونوں

اداروں کو تقسیم کرکے دونوں ملکوں پاکستان اور بھارت کو دے دیا گیا۔ یہ سول سرونٹ جو برطانوی دور میں برطانیہ کے وفادار رہے اور ان کے تربیت یافتہ تھے، انہوں نے ہی پاکستان کی ’ریاستی مشینری‘ کو وجود دیا۔ دوسری طرف پاکستان کی فوج بھی انھی لوگوں پر مشتمل تھی جو اس سے قبل ’رائل انڈین آرمی‘ میں برطانیہ کی وفاداری میں پلے تھے اور ان کا نمک کھایا تھا۔

بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ برطانوی دور کے بہت سے سول سرونٹ ہی پاکستان کی ابتدائی سیاست میں بھی شامل ہو گئے اور حکمرانی کرتے رہے۔ ان میں اسکندر مرزا، ملک غلام محمد، چوہدری محمد علی، ملک فیروز خان نون کے نام سرِ فہرست ہیں۔

معلوم ہوا کہ جن مسلمانوں نے لا الہ الا اللہ کے نام پر قربانیاں دیں اور جن علمائے کرام نے لا الہ الا اللہ کے نفاذ کے وعدے پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا، وہ سب قیامِ پاکستان کے ساتھ بے اثر کر دیے گئے۔ اور پاکستان فرنگی غلاموں کے ہاتھوں میں آ گیا اور ان میں سے بھی جو فرنگیوں کے سب سے بااعتماد غلام تھے، ان کے شکنجے میں آ گیا۔

پاکستانی فوج کا قیام اور پاکستان کے ابتدائی سالوں میں اس کا کردار

یہ بات تو بیشتر پاکستانیوں کے علم میں ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد نئے سرے سے مسلمانوں کو بھرتی کر کے اس ملک کی فوج نہیں بنائی گئی، بلکہ ’رائل انڈین آرمی‘ ہی کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ ’پاکستانی فوج‘ کے نام پر پاکستان کو دے دیا گیا۔ یہ بھی ویسی ہی بندر بانٹ تھی جس طرح ریڈ کلف باؤنڈری کمیشن کی سرحد بندی اور ماؤنٹ بیٹن کی سرکردگی میں اثاثوں کی تقسیم۔

’رائل انڈین آرمی‘ برطانیہ کی عظمت کی علامت تھی۔ اسی رائل انڈین آرمی کے بل بوتے پر برطانیہ نے پہلی جنگِ عظیم میں خلافتِ عثمانیہ اور جرمنی کو شکست دی، عراق، شام و فلسطین اور مصر پر قبضہ کیا۔ اسی رائل انڈین آرمی کے جوانوں نے دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کی عزت بچائی جبکہ ہٹلر اور جاپانیوں کے ہاتھوں ابتدائی سالوں میں اسے ہزیمت کا سامنا تھا۔ اسی رائل انڈین آرمی کے بل بوتے پر برطانیہ نے ہندوستان پر بھی

قبضہ بر قرار رکھا اور یہاں آزادی کے لیے اٹھنے والی تحریکات کو کچلا۔ چنانچہ رائل انڈین آرمی کے افسر و جوان برطانیہ اور امریکہ دونوں ہی کے انتہائی معتمد غلام اور وفادار نوکر تھے۔ اس بنیاد پر 'پاکستانی فوج' بھی قیامِ پاکستان کے بعد برطانیہ و امریکہ کا سب سے زیادہ معتمد ادارہ تھا۔ برطانیہ کو سیاستدانوں سے زیادہ بیورو کریسی اور بیورو کریسی سے بھی زیادہ پاکستانی فوج پر اعتماد تھا۔ اس اعتماد کی بدولت آغاز سے ہی اپنے جرنیلی کارندوں کو برطانیہ و امریکہ نے پاکستانی سیاست میں داخل رکھا اور ان کے ذریعے پورے پاکستان پر اپنا تسلط قائم رکھا۔

نوزائدہ پاکستانی فوج کے ساتھ سب سے پہلے برطانیہ نے یہ کیا کہ ایک عرصے تک انگریز افسروں نے ہی پاکستانی افواج کی قیادت کی۔ ۱۹۵۱ء تک بری فوج، ۱۹۵۲ء تک بحریہ اور ۱۹۵۷ء تک فضائیہ کے کمانڈر انچیف سب انگریز افسران تھے۔ بعد میں جونیر پاکستانی افسروں کو جلد ترقیاں دے کر اوپر لایا گیا اور انھیں خصوصی طور پر مغربی ملکوں میں ٹریننگ دی گئی۔ جب برطانیہ و امریکہ کو تسلی ہوگئی کہ یہ اب 'اپنے' ہیں تو انھیں پاکستانی افواج کی قیادت کے لیے پاکستان کے حوالے کر دیا گیا۔ جنرل ایوب خان جو پاکستانی فوج کا پہلا پاکستانی کمانڈر انچیف بنا، اپنی تقرری کے حوالے سے خود اپنی خودنوشت میں لکھتا ہے:

"جنرل گریسی (جو اس وقت پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف تھا) نے میری تقرری کا خوشگوار اعلان کیا۔ مجھے نائب کمانڈر انچیف بنادیا گیا تاکہ میں خود کو کام کے ساتھ ہم آہنگ کر سکوں۔ میں مختصر دوروں پر جرمنی اور انگلینڈ گیا تاکہ فوجی نظم و نسق سیکھ سکوں"۔

General Gracey took the announcement in very good part. I was appointed Deputy Commander-in-Chief so that I should be able to make myself familiar with the work. I went to Germany and England on a short visit to study military establishments.[1]

---

[1] Friends, not Masters، ص ۳۵

جنرل ایوب خان کو جرمنی اور انگلینڈ اسی لیے بھیجا گیا تا کہ اسے اچھی طرح مغربی رنگ میں رنگ دیا جائے، اور ایسا ہی ہوا۔ اسی جنرل ایوب خان نے آگے چل کر پاکستانی فوج کا پورا نظم و نسق امریکی انداز میں منظم کیا، جس کا ذکر آگے مضمون میں آئے گا۔ جنرل ایوب خان زندگی بھر رائل انڈین آرمی کے نمک حلالی کرتا رہا۔ یہاں حوالے کے لیے جنرل ایوب خان کی وہ عبارت ذکر کرنا فائدے سے خالی نہیں جو اس نے وزیرِ اعظم فیروز خان نون کو اس وقت لکھی جب ۹ جون ۱۹۵۸ء کو اسے فیروز خان نون نے مدتِ ملازمت میں توسیع دی۔

”میری مدتِ ملازمت کی توسیع پر آپ کی حوصلہ افزائی کے پیغام کا میں شکر گزار ہوں۔ شخصی طور پر میں ریٹائر ہونے پر جس قدر خوش ہوتا، اسی قدر میں اس پر خوش ہوں کہ مجھے اس عظیم فوج میں مزید خدمت کا موقع دیا جا رہا ہے، جس فوج کی تعمیر میری زندگی بھر کا مشن ہے۔ جو بھی معاملہ ہو (ریٹائرمنٹ یا توسیع، میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ) میں نے پچھلے اکتیس سالوں 3 سے اس کا نمک کھایا ہے اور میں جو کچھ ہوں اسی فوج کی وجہ سے ہوں اور اسی کی طرف منسوب ہوں“۔

Grateful for your message of appreciation and encouragement on my extension of tenure. Personally I would have been just as happy to retire as I would be in further serving this magnificent army the building of which has been my life long ambition. In any case I have eaten its salt for thirty one years and everything in me is due to it and belongs to it.[2]

ملاحظہ کیجیے کہ یہاں جنرل ایوب خان نے واضح اعتراف کیا ہے کہ وہ جس فوج کے نمک حلال ہیں، وہ

[2] Friends, not Masters، ص ۶۳

[3] یاد رہے کہ ایوب خان کو ۲ فروری ۱۹۲۸ء میں رائل انڈین آرمی میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ کمیشن ملا تھا۔ یوں اسے ’اکتیس‘ سال ہوئے تھے۔

رائل انڈین آرمی سے چلتی ہوئی پاکستانی فوج بنی ہے۔ اور جو نمک انھوں نے پاکستان بننے سے پہلے کھایا ہے، وہ اسے حلال کرنے کا بھی دم بھر رہے ہیں۔

یوں برطانیہ نے پاکستانی فوج کو اس قابل بنادیا کہ جب کبھی ملک میں حالات برطانیہ وامریکہ کے مطابق نہ چل رہے ہوں تو فوج انھیں درست سمت میں چلاتی رہے اور ملکی سیاست مستقل فوج کے زیرِ اثر امریکی وبرطانوی خطوط پر گامزن رہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کی صداقت کے لیے کوئی حوالہ نہ بھی ہو تو تاریخ خود بہت مستند حوالہ ہے، گو ہمارے پاس حوالوں کی بھی بھرمار بلکہ طومار ہے۔ پہلے دن سے آج تک ملکی سیاست فوجی جرنیلوں کے نہ صرف زیرِ اثر رہی بلکہ دو تہائی تاریخ تو براہِ راست فوجی اقتدار کی نظر ہوئی۔ مصنف 'ہربرت فیلڈ مین' (Herbert Feldman) نے اپنی کتاب The End and The Beginning: Pakistan میں پاکستانی سیاست کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جب بھی جی ایچ کیو میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ حالات سینئر فوجی افسروں کے مزاج اور خیال کے مطابق نہیں جارہے، افواجِ پاکستان (درحقیقت صرف بری فوج) حرکت میں آجاتی ہے یا مداخلت کے لیے تدبیر پیدا کرتی ہے''۔

Whenever it was felt in GHQ that things were not going according to the taste and opinion of senior officers, the armed forces (in fact the army alone) would move in or contrive to do so.[4]

ابتدائی سالوں کی ملکی سیاست میں فوج کی دخل اندازی

ریاستِ پاکستان کو قیام کے ساتھ ہی بہت سے جوہری مسائل کا سامنا کرنا پڑا... جیسا کہ کسی بھی نوزائدہ ریاست کو متوقع ہوتے ہیں... دراں حالیکہ ابھی تک ریاست کے پاس منظم ڈھانچہ موجود نہیں تھا۔ ریاستی ادارے خود پیدائش کے مرحلے میں تھے۔ قیام کے وقت سب سے مضبوط ادارہ وہ 'فوج' تھی جو پاکستان کے

[4] The end and the beginning: Pakistan، ص ۱۱، بحوالہ جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں، ص ۸۱

حصے میں آئی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہی ادارہ ریاست کے داخلی مسائل میں بھی اتر آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ چونکہ ریاست کو خارجی سطح پر بھی بھارت کی جارحیت کا سامنا تھا، سو اس کا حل بھی یہی ادارہ تھا۔ چنانچہ

۱۔ مہاجرین کی آبادکاری

۲۔ فسادات کی روک تھام

۳۔ خود مختار ریاستوں کا الحاق

۴۔ سرحدوں کی حفاظت

۵۔ کشمیر جنگ

... سب میں پاکستانی فوج نے کردار سنبھال لیا۔ یوں قیام کے ساتھ پاکستانی فوج کو دوسرے تمام اداروں پر برتری حاصل ہو گئی اور برطانیہ و امریکہ کو کمزور ریاست میں فوج کو مستحکم کرنے کا بہترین موقع دستیاب ہو گیا۔

ابتدائی سالوں میں سیاستدانوں کے مقابلے میں فوجی اثر و رسوخ

ابتدائی سالوں میں ہی فوج کا سیاستدانوں کے مقابلے میں اثر و رسوخ بہت واضح شکل میں سامنے آنے لگا۔ اس کی پہلی مثال اس وقت دیکھنے کو ملی جب محمد علی جناح نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی (Douglas Gracey) کو کشمیر کی طرف فوج کشی کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور اگلے ہی روز بھارت و پاکستانی افواج کے سپریم کمانڈر جنرل آکن لیک (Auchinleck) نے آکر جناح سے آرڈر واپس کروالیا۔

میجر جنرل شاہد حامد ...جو اس وقت جنرل آکن لیک کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا... نے اپنی کتاب Disastrous Twilight میں اس واقعے کے متعلق لکھا:

"۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو انہوں (جناح) نے گریسی کو حکم دیا کہ فوج کو جموں اور کشمیر بھیجے اور سری نگر اور درہ بانیہال پر قبضہ کر لے۔ گریسی نے جواب دیا کہ وہ احکامات کی تعمیل نہیں کر سکتا، اور اسے یہ معاملہ	On 27th October he ordered Gracey to move troops into Jammu and Kashmir and to seize Srinagar and the Banihal pass. Gracey replied

that he could not comply with the order and must report the matter to Auchinleck as compliance would entail the issue of 'Stand Down Order No. 2' which meant the withdrawal of the British officers from the Pakistan Army. According to Gracey's private secretary, Wilson, Mountbatten rang up Gracey and threatened that if he moved any troops to Kashmir he would ensure that he would not get his knighthood.[5]

آکن لیک کو رپورٹ کرنا لازمی ہے۔ احکامات کی تعمیل کالازمی نتیجہ 'سٹینڈ ڈاون آرڈر نمبر ۲' کا اطلاق ہو گا۔ جس کا مطلب پاکستان آرمی سے برطانوی افسروں کی علیحدگی تھا۔ گریسی کے پرائیویٹ سیکرٹری ولسن کے مطابق ماؤنٹ بیٹن نے گریسی کو فون کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے فوج کو کشمیر کی طرف روانہ کیا تو وہ یقین کرلے کہ اسے نائٹ ہڈ کا خطاب نہیں ملے گا"۔

ابتداء میں چونکہ دونوں ملکوں کی افواج کے کمانڈر انچیفس کے اوپر ایک سپریم کمانڈر بھی موجود تھا جو برطانوی جنرل آکن لیک تھا... جو اس سے قبل رائل انڈین آرمی کا کمانڈر انچیف تھا...اور دونوں ملکوں کی افواج اسی کے زیرِ کمان تھی۔ اسی لیے گریسی نے آکن لیک سے رابطہ کیا اور ساتھ ہی ماؤنٹ بیٹن نے بھی گریسی کو دھمکا کر روک دیا۔ یوں جناح کے احکام کی تعمیل نہ ہوئی، بلکہ اگلے روز آکن لیک نے آکر باقاعدہ جناح سے احکام واپس بھی کروالیے۔ پاکستان بننے کے دوسرے ماہ کی یہ سرگزشت ہی پاکستان کی آئندہ کی تاریخ ہے۔ پاکستان میں حکم وہی چلا ہے، جو برطانیہ وامریکہ نے چاہا ہے اور اس رکاوٹ کے لیے مقامی سطح پر کردار یہاں کی

[5] Disastrous Twilight، ص ۲۷۷، بحوالہ جرنیل اور سیاستدان، ص ۳۸، ۳۹

فوج نے ادا کیا ہے۔ سیاستدانوں کی حیثیت ہمیشہ مہروں کی رہی ہے۔

۱۹۴۸ء میں جنرل ایوب خان... جو اس وقت میجر جنرل تھا... مشرقی پاکستان میں جی او سی[6] کے طور پر تعینات تھا۔ سیاسی طور پر حالات کشیدہ تھے، اردو کے بطور سرکاری زبان متعین ہونے کے سبب بنگالی عوام اور طلبہ حکومت کی مخالفت کر رہے تھے اور بنگالی زبان کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس سال جنوری میں طلبہ اپنے مطالبات کے لیے احتجاج کر رہے تھے اور اسمبلی پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اسمبلی کا اجلاس جاری تھا، وزیرِ اعلیٰ خواجہ ناظم الدین نے تقریر کرنی تھی۔ خواجہ ناظم الدین نے صورتحال دیکھتے ہوئے جی او سی میجر جنرل ایوب خان سے صورتحال کنٹرول کرنے کی درخواست کی۔ میجر جنرل ایوب خان نے اسمبلی کو گھیرے میں لے لیا اور احتجاج کو رفع دفع کیا۔ اس واقعے نے ایک تو سیاستدانوں کی کمزوری کو واضح کر دیا کہ ملکی حالات کا کنٹرول فوج کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسری طرف جس انداز میں ایوب خان نے احتجاج کو رفع دفع کیا، وہ بھی اس بات کا غماز تھا کہ ملکی حالات کے کنٹرول کے لیے فوج قوت کے استعمال سے گریز نہیں کرے گی ... جس کی عملی مثالیں آئندہ سالوں میں حقیقت کا روپ دھارتی رہیں۔

جنوری ۱۹۴۸ء کے احتجاج میں محمد علی بوگرہ بھی میں شامل تھا... جو بعد میں مملکت کا تیسرا وزیرِ اعظم بھی بنا... اور اس وقت وہ اپوزیشن لیڈر تھا۔ میجر جنرل ایوب خان نے جی او سی کی حیثیت میں اسے یہ الفاظ تک کہہ دیے:

"کیا تم گولی کا انتظار کر رہے ہو؟"　　Are you looking for a bullet?[7]

یہ بات خود ایوب خان نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ مملکتِ پاکستان میں سیاستدانوں کے لیے فوج کے یہ ریمارکس کافی رہے اور پوری تاریخ میں اسی دھمکی کے بل بوتے پر پاکستانی فوج نے ملک کو اپنے شکنجے میں رکھا۔

---

[6] General Officer Commanding (GOC)

[7] Friends, not Masters، ص ۳۰

ابتدائی سالوں میں پاکستانی سیاست 'امریکی' مفادات کے زیرِ اثر

قیامِ پاکستان کے بعد ملکی سیاست کی ایک اور اہم بات یہ تھی کہ ابتداء میں ہی پاکستانی سیاست کا 'قبلہ' امریکہ متعین ہو گیا تھا۔ چونکہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ کی بجائے قوت امریکہ کے ہاتھ میں چلی گئی اور خود برطانیہ بھی امریکہ کے ساتھ منسلک ہو گیا، تو پاکستان کے تناظر میں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی سیاست بھی ابتداء میں برطانیہ کے زیرِ اثر رہنے کے بعد امریکہ کے ساتھ منتھی ہو گئی۔ عالمی حالات کے تناظر میں بھارت نے اپنا تعلق روس سے جوڑا تو پاکستان امریکی گود میں آگیا۔ اس وقت کا امریکہ نے گود لیا تو آج تک نہ چھوڑا۔

ملک کے پہلے وزیرِ اعظم لیاقت علی خان نے مئی ۱۹۵۰ء میں امریکہ کا دورہ کیا اور یہ امریکہ کے ساتھ تعلقات کی ابتداء تھی۔ مالی امداد پر ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی گئی۔ نتیجے میں امریکہ نے روس کے خلاف فضائی اڈے حاصل کیے اور کوریا کی جنگ میں پاکستانی فوج کی عملی شرکت کا مطالبہ کیا۔

جون ۱۹۵۱ء میں امریکہ اور کوریا کی جنگ ہوئی۔ جس میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ تعاون کیا، کوریا میں اقوامِ متحدہ کے ملٹری ایکشن کو سپورٹ کیا اور کوریا میں پاکستانی فوج کا ایک بریگیڈ بھیجنے میں رضامندی ظاہر کی جبکہ بھارت نے انکار کر دیا۔ امریکہ نے پاکستانی فوج کو جدید اسلحہ سے لیس کرنے کا وعدہ کیا۔ جب پاکستان نے واشنگٹن سے مطالبہ کیا کہ وہ بھارت کے خطرے کے پیشِ نظر پاکستان کو دفاع اور سلامتی کی گارنٹی دے، تو اس پر امریکہ انکاری ہو گیا۔ امریکہ کے انکار پر پاکستان نے کوریا میں فوج بھیجنے کا فیصلہ تو تبدیل کر دیا لیکن اقوامِ متحدہ کی کارروائیوں کی سیاسی حمایت کی۔ کوریا کی جنگ کے دوران بھارت نے پاکستانی پنجاب کی سرحد پر اپنی فوجیں تعینات کر دیں۔ پاکستان کے پاس دفاع کی فوجی صلاحیت نہیں تھی، لہٰذا چار و ناچار حکمران خوف زدہ ہو کر امریکہ کی جانب دیکھنے لگے۔ امریکہ نے پاکستان کے ساتھ تعاون کیا[8]۔ اسی زمانے میں امریکی صدر ٹرومین (Harry S. Truman) نے پاکستان کو امریکہ کا 'فرنٹ لائن' اتحادی قرار دے دیا۔

---

[8] جرنیل اور سیاست دان تاریخ کی عدالت میں از قیوم نظامی، ص ۴۴

یہ سلسلہ یہاں نہیں رکا، بلکہ اگلے سالوں میں مزید گہرا ہوتا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں بغداد پیکٹ (Baghdad Pact)...جو بعد میں ’سینٹو‘ (Cento)[9] کے نام سے معروف ہوا... میں پاکستان نے ایران، عراق اور ترکی کے ہمراہ شرکت کی۔ یہ معاہدہ خالص امریکی معاہدہ تھا جس کا مقصد روس کے لیے حصار قائم کرنا تھا۔ اس معاہدے میں پاکستان نے دستخط کیے اور اس کے نتیجے میں امریکہ سے امداد حاصل کی۔ اس معاہدے کے تحت پاکستان نے امریکہ کو پشاور ایئر بیس کا کنٹرول فراہم کیا جہاں سے امریکہ روس کی نگرانی کے لیے U-2 طیارے اڑاتا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سال پاکستان نے ایک دوسرے امریکی معاہدے ’سیٹو‘ (Seato)[10] میں بھی شمولیت اختیار کی۔ گو ان دونوں معاہدوں کی بدولت امریکہ کو روس کے مقابلے میں کچھ زیادہ فائدہ نہ ہوا اور نہ پاکستان کو زیادہ فوائد حاصل ہوئے۔ البتہ جب تک یہ معاہدے قائم رہے، پاکستان امریکی امداد سے لطف اندوز ہوتا رہا اور امریکہ نے پاکستان پر اپنی اجارہ داری قائم رکھی۔ ان دونوں معاہدوں میں پاکستان کو دھکیلنے میں بنیادی کردار پاکستانی فوج کے دو جرنیلوں میجر جنرل اسکندر مرزا اور کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کا تھا، کیونکہ پاکستان کی ابتدائی سیاست میں ان دونوں کے پاس مرکزی قوت تھی اور یہ دونوں برطانوی و امریکی مفادات کے محافظ تھے۔

---

[9] Central Treaty Organization

[10] South East Asia Treaty Organization

پاکستان پر جرنیلوں کا اقتدار

اوپر بیان کردہ تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس انداز میں قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی برطانیہ وامریکہ نے پاکستانی سیاست کو چلایا اور کس طرح فوج کو سیاسی معاملات میں داخل کیا۔ اب یہاں ذرا تفصیل سے جرنیلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو پاکستانی سیاست میں بنیادی کردار ادا کرتے رہے اور جن کے ہاتھ میں اقتدار رہا۔ ان کے اقتدار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ہم ان کے اقدامات، ان کے ذاتی کردار اور ان کی امریکہ غلامی کو بھی واشگاف کریں گے، تاکہ پاکستان کے عوام اور بالخصوص یہاں کے دینی طبقے... جنہوں نے یہاں لا الہ الا اللہ کا خواب دیکھا تھا اور جس خواب کو وہ ابھی بھی آنکھوں میں سجائے بیٹھے ہیں... کے سامنے پاکستان میں لا الہ الا اللہ کے حقیقی دشمنوں کی تصویر واضح ہو جائے اور وہ ان کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں۔

میجر جنرل اسکندر مرزا

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۵۸ء تک پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں میں قوت کا مرکز رہنے والا شخص ’میجر جنرل اسکندر مرزا‘ تھا... جو قیام کے وقت ڈیفنس سیکرٹری کے طور پر پہلی کابینہ میں شامل ہوا اور پھر کئی وزارتوں سے ہوتا ہوا اگست ۱۹۵۵ء میں ملک کا گورنر جنرل اور پھر مارچ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا پہلا صدر بنا۔

اسکندر مرزا کا تعارف

اسکندر مرزا اس ’میر جعفر‘ کی نسل سے ہے جس کے بل بوتے پر انگریز نے ’پلاسی کی جنگ‘ میں ’سراج الدولہ‘ کو شکست دی تھی جس کے بعد برصغیر میں برطانیہ کے اقتدار کا آغاز ہوا تھا۔ یہ اسکندر مرزا ’رائل انڈین آرمی‘ کا چشم وچراغ تھا۔ اس نے برطانیہ میں بنیادی عسکری ادارے ’رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ‘ (Royal Military College, Sandhurst) میں تربیت حاصل کی اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ برصغیر کا ’پہلا‘ مقامی شخص تھا جو اس کالج سے گریجویٹ بنا۔ تقسیمِ ہند سے پہلے اس نے رائل انڈین آرمی میں

بیش بہا خدمات انجام دیں۔ یہ ۱۹۲۰ء کی 'وزیرستان جنگ' میں محسود اور وزیر مجاہدین کے خلاف انگریز کی طرف سے شریک ہوا۔ اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر فرنگیوں نے اسے عسکری امور سے نکال کر ۱۹۲۶ء میں 'انڈین پولیٹیکل سروس' میں شامل کر کے سرحد کا 'اسسٹنٹ کمشنر' بنادیا۔ بعد ازاں ۱۹۳۸ء میں اسے قبائلی علاقوں کا 'پولیٹیکل ایجنٹ' بھی بنایا گیا جہاں یہ ۱۹۴۵ء تک فائز رہا۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء تک سرحد کا 'پولیٹیکل ایجنٹ' تھا۔ یہ واضح رہے کہ اس سارے سرکاری عمل کے دوران وہ بدستور رائل انڈین آرمی کا افسر رہا اور ۱۶ جولائی ۱۹۴۶ء کو اسے 'لیفٹیننٹ کرنل' کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ اس شخص کی شاندار کارکردگی دیکھتے ہوئے برطانیہ نے فیصلہ کیا کہ اسے ۱۹۴۶ء میں پورے ہندوستان کے لیے 'جوائنٹ ڈیفنس سیکرٹری' کا عہدہ دیا جائے۔ اسی عہدے پر موجود رہتے ہوئے تقسیم ہند کے وقت تاجِ برطانیہ نے اس شخص کو یہ خدمت بھی سونپی کہ وہ رائل انڈین آرمی کو انڈیا اور پاکستان کی آرمی میں تقسیم کرے۔ برطانیہ کا یہ دیرینہ اور وفادار خادم پاکستان بننے کے بعد پاکستان کا پہلا 'ڈیفنس سیکرٹری' بنا[11] اور ملٹری پولیس کا 'جی او سی' (GOC) بنا۔ یہی شخص پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں کی سیاست کا بنیادی کردار ہے جس کی جھلکیاں اس مضمون میں آگے دیکھنے کو ملیں گی۔

یہاں ایک مرتبہ ٹھہر کر سوچیے کہ اگر برطانیہ کا یہی وفادار غلام اور فوجی... جس نے تحریکِ آزادی ہند کے کرداروں (جن میں 'شہزادہ فضل دین' اور 'فقیر اپی' شامل ہیں) کے خلاف عسکری اور سرکاری میدانوں میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اپنے فرنگی آقاؤں کی خوب نمک حلالی کی... یہی نوزائدہ پاکستان کے ابتدائی گیارہ سالوں میں پاکستان کا حاکم رہا تو خود بخود اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کس قدر آزاد ہوا تھا؟!

قیامِ پاکستان کے بعد اسکندر مرزا کا کردار

حکومتِ پاکستان کی طرف سے صدورِ پاکستان کی تاریخ پر مشتمل ویب سائٹ president.gov.pk میں اسکندر مرزا کے حوالے سے درج ہے:

[11] درج بالا معلومات دائرہ معارف ویکی پیڈیا سے لی گئی ہیں۔ en.wikipedia.org/wiki/iskander mirza

"۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے بعد، وزیرِ اعظم لیاقت علی خان نے مرزا کو پہلا سیکرٹری برائے دفاع مقرر کیا، جو ایک انتہائی اہم سرکاری عہدہ ہے۔ اسی نے ۱۹۴۷ء کی پاکستان بھارت جنگ کی نگرانی کی اور ۱۹۴۸ء میں بلوچستان میں فوج کشی کی نگرانی کی"۔

After the establishment of Pakistan in 1947, Prime minister Liaquat Ali Khan appointed Mirza as the first Defence Secretary, one of the most important government positions. He oversaw the Indo-Pakistan war of 1947, and the Balochistan conflict in 1948.

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں میجر جنرل اسکندر مرزا برطانیہ اور امریکہ کا 'واچ ڈوگ' تھا اور انھی کے بل بوتے پر وہ پاکستانی سیاست میں اول روز سے ہی اپنی حیثیت میں موجود تھا۔ خان لیاقت علی خان کی مجبوری تھی کہ وہ اسکندر مرزا کو ریاستی معاملات میں آگے رکھیں اور وہ بیشتر معاملات میں اسکندر مرزا سے ہی مشورہ لیتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لیاقت علی خان کو ملکی سیاست کے بعض بڑے ناموں مثلاً غلام محمد، مشتاق گورمانی، ممتاز دولتانہ وغیرہ پر اعتماد نہ تھا۔ اسکندر مرزا اس قدر معاملات میں دخیل تھا کہ اسی کے مشورے پر سینئر افسروں کو چھوڑتے ہوئے لیاقت علی خان نے پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف 'ڈگلس گریسی' کے بعد 'جنرل ایوب خان' کو بنایا تھا۔

لیاقت علی خان کے قتل کے بعد نئے وزیر اعظم کے انتخاب کے لیے نمایاں نام سردار عبد الرب نشتر کا تھا، لیکن چونکہ وہ دینی ذہنیت کے حامل تھے، اس بنیاد پر انھیں وزیر اعظم نہ بننے دیا گیا اور اس میں بھی بنیادی کردار اسکندر مرزا کا تھا۔ اس حوالے سے دارۂ معارف Wikipedia میں درج ہے:

"لیاقت علی خان کے قتل کے بعد سردار نشتر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے کا بااہل امیدوار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کی تقرری سینئر سیکولر اور لبرل

Nishtar was considered a serious contender for the post of Prime Minister after Liaqat Ali Khan's

عہدیداران کی طرف سے روک دی گئی جن میں مستقبل کا صدر ’اسکندر مرزا‘ شامل تھا، اور اس تقرری کے روکنے کا سبب نشتر کے قدامت پسند اور اسلام پسند نظریات تھے“۔

assassination. His appointment was blocked by senior secularists and liberal officials including the future President Iskander Mirza because of Nishtar's conservative and Islamic views.

خواجہ ناظم الدین کا دورِ وزارتِ عظمیٰ

لیاقت علی خان کے بعد اسکندر مرزا اور برطانیہ کی مرضی سے اکتوبر ۱۹۵۱ء میں خواجہ ناظم الدین کو گورنر جنرل کے عہدے سے ہٹا کر وزیرِ اعظم بنا دیا گیا۔ اس کی یہ وجہ بخوبی سمجھ آتی ہے کہ ایک تو وہ مسلم لیگ کے بنیادی لوگوں میں سے تھے، لیکن ساتھ ساتھ انتہائی کمزور طبیعت کے انسان تھے جس کے ہوتے ہوئے بآسانی اپنی مرضی چلائی جاسکتی ہے۔ ایسا ہی ہوا اور اسکندر مرزا بڑی دیدہ دلیری سے کاروبارِ حکومت اپنی مرضی سے چلاتا رہا اور بیشتر فیصلوں میں یہی شخص داخل رہا۔ کرامت اللہ غوری نے ۱۱ فروری ۲۰۰۶ء کے ’ڈان‘ اخبار میں بیوروکریٹ جناب ’قمر الاسلام‘ کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا... جو خود اس واقعے کے عینی گواہ ہیں... کہ:

”۱۹۵۳ء کا وقت تھا اور خواجہ ناظم الدین کی کابینہ میں لاہور کو معطل کرنے والے فرقہ وارانہ فساد[13] کے بارے میں عملی خطوط طے کیے جانے تھے۔ گرما گرم بحث کے عین درمیان میں اسکندر مرزا... جو اس وقت سیکرٹری کابینہ تھا... کھڑا ہوا اور

The time was 1953 and the cabinet of Khawaja Nazimuddin was convened to decide the line of action in regard to the sectarian violence then consuming Lahore. In the

[13] چونکہ یہ راوی خود سیکولر ہے اس وجہ سے اس نے یہاں فساد کا لفظ استعمال کیا ہے، وگرنہ اس سے مراد ’تحریکِ ختم نبوت‘ ہے جس کا ذکر ذرا آگے چل کر آرہا ہے۔

وزیرِ اعظم کی اجازت لیے بغیر کمرے سے باہر نکل کھڑا ہوا۔ وہ دس منٹ بعد کابینہ کے اجلاس میں واپس لوٹا اور تمام موجودگان کے حضور میں اعلان کیا کہ انھیں مزید خود کو تھکانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس نے لاہور کے کور کمانڈر 'لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان' سے بات کرلی ہے، وہ اگلی صبح وہاں مارشل لا لگانے کو تیار ہے۔ اس سے مجلس کا اختتام ہو گیا۔ نہ ہی وزیرِ اعظم اور نہ ہی کسی دوسرے کو ہمت ہوئی کہ وہ اسکندر مرزا کے استبدادی فیصلے اور توہین آمیز رویے کو چیلنج کرتا"۔

middle of a heated debate, Iskander Mirza, then cabinet secretary, rose and left the room without seeking the PM's permission. He returned to the cabinet session ten minutes later and announced to its participants not to bother themselves anymore as he had spoken to Lt. Gen. Azam Khan, Lahore's corps commander who was all primed to declare martial law in the city next morning. That ended the discussion. Neither the PM nor anybody else dared challenge Mirza over his arbitrary decision or insolent behavior.[12]

اس سے اندازہ کیجیے کہ اسکندر مرزا کے ہاتھ میں کس قدر طاقت تھی کہ ایک تو وہ آزادانہ فیصلے کرتا تھا اور کوئی دوسرا اس کے فیصلوں پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا۔

۱۹۵۳ء میں لاہور میں پاکستان کا پہلا مارشل لاء اور ختمِ نبوت سے دشمنی

چونکہ مذکورہ بالا اقتباس میں ۱۹۵۳ء کے لاہور میں مارشل لاء کا ذکر ہوا، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس

[12] جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں، ص ۴۹

کے حوالے سے بھی چند جملے زیبِ قرطاس کر دیے جائیں، کیونکہ یہ کارنامہ حکومت و فوج کی اسلام دشمنی کا واضح ثبوت ہے، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

یہ وہ وقت تھا جب حکومت میں قادیانیوں کا اثر ورسوخ بڑھتا جارہا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد سے وزیرِ خارجہ ظفر اللہ قادیانی چلا آرہا تھا جسے حکومت ہٹانے کو تیار نہ تھی۔ اس وقت پورے ملک کے علمائے کرام نے تحریک چلانے کا فیصلہ کیا، تاکہ ملکِ پاکستان میں کم از کم قادیانیوں کو کافر قرار دیا جائے اور انھیں حکومتی عہدوں سے بے دخل کیا جائے۔ امیرِ شریعت حضرت 'عطاء اللہ شاہ بخاری' رحمہ اللہ اور 'مجلسِ احرارِ اسلام' اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ تحریک کا مرکز لاہور تھا جہاں ہزاروں کی تعداد میں عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ اس کے علاوہ ملتان، فیصل آباد اور جھنگ میں بھی تحریک جاری تھی۔ اس وقت اسکندر مرزا کے فیصلے کے ساتھ پاکستانی فوج نے لاہور میں مارشل لاء لگایا اور یہ مارشل لاء لگانے والا شیطان 'لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان' تھا، جو کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کا قریبی دوست اور معتمد ساتھی تھا۔ ان دونوں کے باپ بھی رائل انڈین آرمی میں ایک ساتھ تھے اور اس وقت سے ان کے درمیان تعلقات استوار تھے۔ اس شخص کو ایوب خان نے صدر بننے کے بعد اپنی کابینہ میں بھی شامل کیا اور یہ اس وقت سے لے کر ۱۹۶۲ء میں اپنی ریٹائرمنٹ تک مشرقی پاکستان کا گورنر رہا۔ تعجب خیز بات ہے کہ ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات میں بھی جنرل ایوب کے مقابلے میں فاطمہ جناح کو اپوزیشن سامنے نہ لاتی تو ان کے پاس آپشن کے طور پر یہی انسان صورت شیطان تھا۔

لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کے احکامات پر فوج اور پولیس نے لاہور بھر میں تین روز تک قتلِ عام کیا اور ہزاروں کی تعداد میں عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کو بے دریغ شہید کیا گیا۔ سرکاری رپورٹوں میں آج تک سارا الزام ختمِ نبوت کے متوالوں کو دیا جاتا ہے، جبکہ قتل کرنے والے جرنیل اور افسران بعد میں بھی حکومت کرتے رہے اور اس ملک میں معزز بنے رہے۔ یہ واقعہ اس فوج اور اس کے جرنیلوں کی اسلام دشمنی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جہاں ختمِ نبوت کا انکار کرنا کفر اور بدترین زندقہ ہے، وہاں ختمِ نبوت کے اقرار کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کو قتل کرنا کس حکم میں آتا ہے؟ یقیناً یہ بھی کفر اور زندقہ ہے۔

گورنر جنرل غلام محمد اور اسکندر مرزا

لیاقت علی خان کے قتل کے بعد خواجہ ناظم الدین جو اس وقت گورنر جنرل تھے، وزیر اعظم بنا دیے گئے۔ گورنر جنرل کے عہدے پر ایک بیمار انسان کو بٹھا دیا گیا اور وہ بیمار آدمی ملک غلام محمد تھا۔ اس وقت پاکستان میں ’گورنر جنرل‘ کا عہدہ ’وزیرِ اعظم‘ کے عہدے سے زیادہ قوت کا حامل تھا۔

غلام محمد خود تو ایک اپاہج فالج زدہ انسان تھا جس کی تو بات بھی کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی، اس کی ساری کی ساری حکومت دو افراد کے بل بوتے پر تھی، اور وہ دونوں میجر جنرل اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان تھے۔ غلام محمد کے دور میں تو مکمل اختیار انھی دونوں حضرات کے پاس تھا اور کاروبارِ حکومت وہی چلا رہے تھے اور ان دونوں کو در حقیقت برطانیہ اور امریکہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔

۱۶ اپریل ۱۹۵۳ء کو اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان ہی کی آشیر باد پر گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا۔ یہ اس ’مسلم لیگ‘ کا خاتمہ تھا جس نے پاکستان کے قیام کے لیے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ سردار عبد الرب نشتر کو تو پہلے ہی اسکندر مرزا نے ایک طرف کر دیا تھا، خواجہ ناظم الدین کو بھی اس نے اور جنرل ایوب نے برطرف کروا دیا۔ پاکستان بنانے والی ’مسلم لیگ‘ جو پہلے دو سالوں میں ہی اختیار کھو چکی تھی، محض چھ سالوں کے اندر سیاست سے بھی بے دخل کر دی گئی۔

خواجہ ناظم الدین نے ملکہ برطانیہ سے اپیل کی کہ غلام محمد نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے، لیکن ملکہ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ بھلا وہ کیسے حمایت کرتی کیونکہ برطانیہ کی مرضی انھی حضرات کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے برعکس امریکہ میں پاکستانی سفیر ’محمد علی بوگرہ‘ کو لا کر وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ اس تقرری کا ذکر کرتے ہوئے گورنر جنرل غلام محمد کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

”جب ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اور اسمبلی کی برطرفی کے بعد نئی کابینہ بنی تو ایوب خان نے کمانڈر انچیف کے عہدے کے ساتھ ساتھ وزیرِ دفاع کا منصب بھی قبول کر لیا۔ اسکندر مرزا اس نئی کابینہ میں وزیرِ داخلہ مقرر ہوئے۔ ان دونوں حضرات کی رفاقت مسٹر غلام محمد کے لیے بڑی زبردست پشت پناہی تھی اور غالباً یہی وہ شہہ تھی جس کے زور پر انھوں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ اس زمانے

میں اس کابینہ کو Cabinet of Lent کہا جاتا تھا“۔[14]

چونکہ غلام محمد تو اسکندر مرزا کے ہاتھ کا کھلونا تھا، وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے بھی جب ان حضرات کی خواہش کے خلاف ذرا جمہوری کوششوں کا آغاز کیا تو اکتوبر ۱۹۵۴ء میں اسمبلی تحلیل کردی گئی۔ غلام محمد کی اصل طاقت کا سرچشمہ بیان کرتے ہوئے قدرت اللہ شہاب نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے:

”مجھ سے کئی بار سوال کیا گیا ہے کہ مسٹر غلام محمد اس قدر شدید بیمار تھے کہ وہ چل پھر نہ سکتے تھے۔ بول نہ سکتے تھے، زیادہ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ بڑے رعب داب سے حکمرانی کرتے رہے۔ ان کی طاقت کا اصلی راز کیا تھا؟

اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ مسٹر غلام محمد کی طاقت کا سرچشمہ سیاست دانوں کی کمزوری تھی۔

اس کے علاوہ دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ جنرل اسکندر مرزا کی شہہ پر مسٹر غلام محمد کو کمانڈر انچیف ایوب خاں کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، جو نظر نہ آنے والی روشنائی سے لکھی ہوئی تھی، مستقبل کے بارے میں ان دونوں کے اپنے اپنے عزائم تھے، جو مسٹر غلام محمد کی طرز کے گورنر جنرل کی اوٹ لیے بغیر پروان نہ چڑھ سکتے تھے“۔[15]

اسکندر مرزا بطور چوتھا اور آخری گورنر جنرل اور پہلا صدرِ مملکت

جب گورنر جنرل غلام محمد انتہائی بیمار ہو گیا تو بالآخر اسکندر مرزا نے اس سے استعفیٰ دلوایا اور اگست ۱۹۵۵ء میں خود گورنر جنرل کی مسند پر براجمان ہو گیا۔ اس کے بعد اگلے چار سال اس نے بلاواسطہ پاکستان پر حکمرانی کی۔ ۱۹۵٦ء میں وزیرِ اعظم محمد علی چودھری کے ذریعے پاکستان کا پہلا آئین جاری کرنے کے بعد اسکندر مرزا

[14] شہاب نامہ؛ ص ۵۹۰

[15] شہاب نامہ؛ ص ٦۱۵

پاکستان کا پہلا صدرِ مملکت بن گیا اور گورنر راج ختم ہو گیا۔[16] اس کے دورِ حکومت میں امریکی مشیر پورے کاروبارِ حکومت پر ٹڈی دل کی طرح چھائے رائے۔[17]

اسکندر مرزا نے اپنے دورِ گورنری اور صدارت میں فوج کی مدد کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے پاکستان پر حکمرانی کی۔ اپنے مرضی کے وزراء لایا، نئی سیاسی پارٹیاں بنائیں اور پرانی سیاسی پارٹیوں کو دبایا۔ ری پبلکن پارٹی بنا کر پاکستان بنانے والی مسلم لیگ کی رہی سہی ساخت کا بھی مکمل خاتمہ کر دیا۔ چودھری محمد علی، حسین سہروردی، آئی آئی چندریگر اور فیروز خان نون یکے بعد دیگرے وزیرِ اعظم بنائے گئے اور پھر برطرف کیے گئے۔ یہ وزرائے اعظم ڈیکٹیشن کی بنیاد پر چلتے تھے اور ان کی اپنی کوئی مرضی نہ چلتی تھی۔ حسین سہروردی کے وزیرِ اعظم بنائے جانے کے حوالے سے مصنفہ ’عائشہ جلال‘ لکھتی ہے کہ جب اسے وزیر اعظم بنایا جانے لگا تو اس شرط پر بنایا گیا کہ وہ مغرب نواز خارجہ پالیسی جاری رکھے گا اور فوج کے امور میں مداخلت نہیں کرے گا۔[18]

بالآخر امریکہ بہادر کی مرضی سے اسکندر مرزا نے ایوب خان کے ساتھ مل کر مارشل لا کا اعلان کر دیا۔ لیکن اب کی مرتبہ بازی ایوب خان کے ہاتھ میں آگئی اور اس نے اسکندر مرزا کو تین ہفتوں میں صدارت سے علیحدہ کر کے لندن بھجوا دیا۔

اسکندر مرزا کی اسلام و شریعت دشمنی

میجر جنرل اسکندر مرزا کے افکار کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ ہمارا پورا دینی طبقہ اور علمائے کرام جانتے ہیں کہ یہ شخص کس قدر اسلام دشمن تھا۔ اسی کے طفیل ختمِ نبوت کے متوالوں کا قتلِ عام ہوا، اسی نے ملک میں

---

[16] یہ بات بھی قارئین کی معلومات میں اضافے کے قابل ہے کہ ۱۹۵۶ء سے پہلے تک... جب تک کہ پاکستان کا اپنا آئین جاری نہیں ہوا تھا... پاکستان کی اصل حاکم ملکہ برطانیہ کہلاتی تھی جس کا نمائندہ گورنر جنرل کی شکل میں موجود ہوتا تھا۔ ۱۹۵۶ء کا آئین بننے کے بعد ملکہ برطانیہ کا راج ’کاغذوں‘ میں ختم ہو گیا۔

[17] یہ بات اسکندر مرزا کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب نے اپنی خود نوشت ’شہاب نامہ‘ میں لکھی ہے۔

[18] The state of Martial Rule، ص ۲۵۳

سیکولرزم کی بنیاد ڈالی اور نظریہ ’وطنیت‘ کا کھل کر پرچار کیا۔ یہ شخص واضح طور پر اسلام کو ریاستی امور سے باہر رکھنے کا قائل تھا۔ دائرہ معارف ویکی پیڈیا میں Story of Pakistan کے حوالے سے درج ہے:

”مرزا کے سیاسی نظریات ’سیکولرزم‘ اور ’بین الاقوامیت‘ کے عکاس تھے، جس میں ریاستی امور سے دین کو الگ رکھنے کی بھرپور وکالت تھی“۔

Mirza's political ideology reflected secularism, and an image of internationalism, strongly advocating the religious separation in state matters.

اسکندر مرزا کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب نے بھی اپنی خودنوشت میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اسکندر مرزا کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ وہ ۱۹۵٦ء کے آئین کے نفاذ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”۲۳ مارچ ۱۹۵٦ء کو جب ایوانِ صدر میں نیا آئین نافذ کرنے کی تقریب منعقد ہو رہی تھی تو اس دوران دو بدشگونیاں[19] ظہور میں آئیں۔ تقریب شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے بڑے زور کی آندھی آئی اور تیز بارش ہوئی جس سے شامیانے کا کچھ حصہ چند مہمانوں کے اوپر گر گیا جن میں اسمبلی کے اسپیکر عبد الوہاب خاں بھی شامل تھے۔... دوسری بدشگونی صدر کے طور پر میجر جنرل اسکندر مرزا کا تقرر تھا۔ نیا آئین اسلامی[20] اور جمہوری اقدار کا حامل تھا، لیکن ملک کے پہلے صدر کو ان دونوں اقدار

[19] قارئین اس بات کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ اسلام میں کسی چیز سے بدشگونی کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے واضح طور پر اس کی نفی فرمائی ہے۔ قدرت اللہ شہاب کا بدشگونی لینا ہمارا مطمح نظر نہیں، ہمارا مقصد اس کے اقتباس سے اسکندر مرزا کی اسلام سے دوری بیان کرنا ہے۔

[20] جہاں تک قدرت اللہ شہاب کا یہ کہنا ہے کہ ۱۹۵٦ء کا آئین اسلامی اقدار کا حامل تھا، تو یہ اس کی اپنی نظر ہے۔ وگرنہ ایک چیز اسلامی اور جمہوری دونوں اقدار کی بیک وقت کیسے حامل ہو سکتی ہے، جبکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی معاملہ تو آج تک مملکتِ پاکستان میں چلا آ رہا ہے کہ اسے خالص اسلامی بنانے کی کوششیں کرنے کی بجائے اسلام اور جمہوریت، اسلام اور مغربیت، اسلام اور جدت پسندی کا ملغوبہ ہی بنایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اسلام تو آتا نہیں، لیکن کفر ضرور در آتا ہے۔ پھر یہ بات قابلِ التفات ہے کہ آئین جس قدر اسلامی اقدار کا حامل ہوتا ہے تو وہ آئین جن لوگوں کو زمامِ اقتدار دیتا ہے، ان کا اسلامی اقدار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ بھلا یہ کیسا اسلامی اقدار کا حامل آئین ہے جو

سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ نئے آئین کو اسکندر مرزا کی صدارت میں چلانا ویسے ہی تھا جیسے دودھ کو بلی کی رکھوالی میں رکھنا“۔[21]

اسکندر مرزا کے سیکرٹری سے زیادہ کس شخص نے اسے دورِ حکومت میں دیکھا ہو گا، اس کی گواہی دیکھیے کہ اس شخص کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ ایک ایسا شخص جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، اسلام کے نام پر بننے والے ’پاکستان‘ کے پہلے دس سالوں میں اس ملک کا کرتا دھرتا تھا۔ بھلا اس سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ یہاں اسلام اور شریعت کے نفاذ کی طرف قدم بڑھائے گا۔ اس شخص نے پاکستان میں شراب و کباب اور زن وزنا کا کلچر عام کیا اور مغربی معاشرت پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ خود گورنر جنرل ہاؤس میں بھی یہی کلچر ہوتا تھا۔ اسکندر مرزا کے گورنر جنرل ہاؤس کی ایک جھلک خود اسی سیکرٹری کی زبانی ملاحظہ کیجیے۔ یہ اس شخص کی بدکرداری کی کھلی دلیل ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کے پہلے دس سالوں میں حکومت کس قدر رذیل لوگوں کے ہاتھ میں تھی، جن میں نہ عقائد مسلمانہ تھے اور نہ ہی کردار۔ اسلام کے نام پر کتنا بڑا مذاق تھا جو کیا جا رہا تھا۔ ہم یہاں قدرت اللہ شہاب کا اقتباس نقل کرتے ہیں لیکن اس میں سے بھی بعض جملے حذف کر کے... کیونکہ وہ اس قدر خسیس ہیں جنھیں نقل کرنا ہمارے لیے یہاں ممکن نہیں:

”میجر جنرل اسکندر مرزا اور بیگم ناہید مرزا کے آتے ہی گورنر جنرل ہاؤس میں دعوتوں اور پارٹیوں کا دور شروع ہو گیا۔ کبھی ڈنر، کبھی ڈانس، کبھی مون لائٹ پکنک۔ وقتاً فوقتاً نئی نئی تقریبات منعقد ہوتی رہتی تھیں، جو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے شروع ہو کر رات کے ڈیڑھ دو بجے تک چلتی تھیں۔ عورتوں کے لیے تو یہ ایک طرح کی فیشن پریڈ ہوتی تھی جس میں وہ اپنے حسن و جمال کے علاوہ قسم قسم کے

اسلامی اقدار سے باغی لوگوں کو حکمرانی سے نہیں روکتا۔ ایسا ہی آئین صدر ایوب خان نے بھی بنایا اور ایسا ہی آئین ۱۹۷۳ء میں بنا جو آج تک ترمیمات کے ساتھ پاکستان میں نافذ ہے! ان تینوں آئینوں میں ’اسلام‘ اسی قدر ہے جس قدر منافقینِ مدینہ کے دلوں میں تھا، جس قدر قرامطہ کے افکار میں تھا، جس قدر چنگیزیوں کے دستور ’یاسق‘ میں تھا اور جس قدر سرسید کے ملحدانہ نظریات میں تھا... وہ ’اسلام‘ جس کی اجازت سیکولرزم خود دیتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی آخر الزماں سیدنا محمد ﷺ پر نازل کردہ حقیقی اسلام۔

[21] شہاب نامہ، ص ۶۲۶

ملبوسات کی نمائش کیا کرتی تھیں۔ کچھ خواتین ایسا لباس پہننے میں مہارت رکھتی تھیں جو جسم کو چھپانے کی بجائے اسے فنکاری سے عریاں کرنے میں مدد دیتا تھا... ساغر و مینا کی کرامات بھی اپنا رنگ جماتی تھیں... ان محفلوں میں جو لوگ صاحبِ اقتدار ہوتے تھے، وہ دولت مند تاجروں اور صنعتکاروں کی طرف بصد حسرت و یاس تکتے تھے۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی تھی، انھیں اقتدار والوں پر رشک آتا تھا۔ اور جن کے پاس دولت اور اقتدار دونوں نعمتیں تھیں، ان کی دلچسپی کا واحد مرکز عورت ذات تھی۔ کثرتِ مے نوشی کے بعد کچھ لوگ کھانے پر گدھ کی طرح گرتے تھے۔ بعض لوگ غسل خانوں میں جا کر بار بار قے کرتے تھے اور تازہ دم ہو کر از سرِ نو شراب کا دور شروع کر دیتے تھے۔ لہو ولعب کے ان مشغلوں میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ دیتی تھی اور بہیمیت نت نئے روپ دھارتی رہتی تھی"۔[22]

میجر جنرل اسکندر مرزا یہ ضرور جانتا تھا کہ اس ملک کے عام عوام اور مسلمانوں نے اس ملک کے حصول کے لیے لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا تھا اور ان کے نزدیک پاکستان اسلام کے نفاذ کے لیے بنا تھا۔ اسی لیے اس شخص نے منافقت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے پاکستان میں اسلام کی بجائے ’پاکستانیت‘ اور ’وطنیت‘ کا سہارا لیتے ہوئے خود کو حب الوطن ظاہر کرنے کی کوشش کی اور عوام کی پاکستان محبت کے سائے میں اپنے لیے پناہ تلاش کی۔ اسکندر مرزا نے ۷ فروری ۱۹۵۵ء کو نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

"ہم پاگلوں کی طرح اسلام کے پیچھے نہیں دوڑ سکتے، ’پاکستان‘ سب سے پہلے اور ’پاکستان‘ سب سے آخر ہے"۔

We cannot run wild on Islam, it is Pakistan first and Pakistan last.[23]

یہی وہ نظریہ ہے جسے بعد والوں نے بھی اپنایا اور اپنے اسلام و شریعت دشمن نظریات کو ’پاکستانیت‘ کے

[22] شہاب نامہ، ص ۶۱۸

[23] جرنیل اور سیاست دان تاریخ کی عدالت میں، ص ۵۵

پردے میں چھپاتے رہے اور اسلام کو فروغ دینے کی بجائے یہاں 'پاکستانیت' کو فروغ دیتے رہے۔ آج بھی یہی کہانی دہرائی جارہی ہے۔

جنرل ایوب خان اور پاکستان میں پہلا مارشل لاء

پاکستان میں ۷ اور ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کی درمیانی شب صدر اسکندر مرزا نے فیروز خان نون کی حکومت تحلیل اور ۱۹۵۶ء کا آئین معطل کرتے ہوئے مارشل لاء لگانے کا اعلان کیا اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹیٹر جنرل ایوب خان کو بنایا اور خود بدستور صدارت پر فائز رہا۔ تاہم اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان کے درمیان اختیارات کی جنگ میں اسکندر مرزا ہار گیا اور جنرل ایوب خان نے... محض تین ہفتے بعد... ۲۷ اکتوبر کو اسکندر مرزا کی صدارت ختم کردی اور خود صدر بن بیٹھا۔

اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان کے اس سارے کھیل میں برطانیہ اور امریکہ بہادر ان کے ساتھ شامل تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں امریکہ اور روس کی سرد جنگ چل رہی تھی اور امریکہ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں کیمونسٹ افکار پاکستان میں رائج نہ ہو جائیں اور پاکستان روس کے بلاک میں شامل نہ ہو جائے۔ اس بنیاد پر اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خاں نے امریکہ کو یقین دہائی کرائی کہ جب پاکستان پر اقتدار فوج کے ہاتھ میں رہے گا تو یہ خطرہ باقی نہ رہے گا۔ اسی بنیاد پر امریکی آشیرباد پر ان دونوں نے پاکستان میں مارشل لا لگا دیا۔ پاکستان میں کئی کلیدی عہدوں پر فائز رہنے والے 'الطاف گوہر'... جو اس وقت وزیر اعظم ملک فیروز خان نون کے ڈپٹی سیکرٹری تھے اور بعد میں جنرل ایوب خان کے سیکرٹری اطلاعات رہے... نے صحافی جاوید چودھری کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اس حقیقت کو ان الفاظ میں آشکارا کیا:

> ''اسکندر مرزا نے ملک فیروز خان نون سے چھٹکارا پانے کا بھی فیصلہ کرلیا۔ وہ ۵۷ء کے آخر میں مارشل لا لگانا چاہتے تھے لیکن امریکیوں نے انھیں روک دیا تھا۔ بعد ازاں ۱۹۵۸ء میں وزیرِ خزانہ امجد علی شاہ اور جنرل ایوب خان امریکہ گئے اور امریکی انتظامیہ کو سمجھا لیا کہ آپ پاکستان میں الیکشن نہ

کرائیں[24]، ورنہ بھاشانی اور عبد الغفار خان جیسے کیمونسٹ برسرِ اقتدار آجائیں گے۔ پاکستان میں صرف فوجی راج ہی تمہارے لیے سود مند ہے۔ نون کی بد قسمتی ملاحظہ کریں، خود اس کا وزیرِ خزانہ اور کمانڈر انچیف امریکہ میں حکومت کے خلاف مذاکرات کر رہے تھے اور انھیں خبر تک نہ تھی۔
ایوب خان کی مدتِ ملازمت ختم ہونے والی تھی اور انھیں توسیع کی بڑی فکر تھی۔ جوں جوں ریٹائرمنٹ کا وقت قریب آرہا تھا، ایوب خان توں توں پریشان ہوتے جارہے تھے۔ پھر وزیر اعظم راولپنڈی کے دورے پر آئے تو وہ ایوب خان کے پاس ٹھہرے اور ایوب کو ایکسٹینشن دے دی گئی۔ جس کے فوراً بعد ایوب نے امریکیوں کے ساتھ مل کر جو منصوبہ تیار کیا تھا، اس کی زمین ہموار ہوگئی"۔[25]

ایوب خان کا تعارف

ایوب خان کے اقتدار پر بات کرنے سے پہلے یہاں اس کی سابقہ زندگی کا ذکر اور اس کا تعارف کرانا موزوں رہے گا، تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص بھی اپنے پیش رووں کی طرح برطانیہ کا خاص وفادار رہا اور اس کا خاندان بھی اسی قبیل سے تھا۔

ایوب خان کے بیٹے ’گوہر ایوب‘ نے اپنی کتاب Glimpses Into The Corridors of Power میں اپنے خاندان کے تعارف میں لکھا ہے:

"ایک مرتبہ میرے پر دادا ’خداداد خان‘ اور میرے دادا ’میر داد خان‘ سالانہ میلے کے سلسلے میں　　My great-grandfather, Khuda Dad Khan, and grandfather, Mir Dad

[24] قارئین! ذرا یہاں الطاف گوہر کے الفاظ پر غور کیجیے کہ اس وقت کے پاکستان میں امریکہ کی مرضی کس طرح چلتی تھی۔ امریکہ سے کہا جارہا ہے کہ پاکستان میں الیکشن نہ کرائیں۔ پھر آگے چل کر جیسا کہ الطاف گوہر نے ذکر کیا ہے، ایوب خان امریکہ سے منصوبہ لے کر آتا ہے اور اس کے مطابق اسکندر مرزا اور ایوب خان آگے عمل درآمد کرتے ہیں۔

[25] گئے دنوں کے سورج؛ جاوید چودھری، ص ۲۷

نورپور گئے ہوئے تھے کہ دریں اثناء برطانوی گھڑ سوار رجمنٹ ان کے پاس سے گزری جو اپنی تربیتی معمول پر نکلی ہوئی تھی۔ گھوڑوں کے دلدادہ ہونے کی وجہ سے باپ بیٹا دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جوان میر داد خان کی دلچسپی کا اندازہ کرتے ہوئے رجمنٹ کے کمانڈر نے اسے گھڑ سوار رجمنٹ میں شمولیت کی ترغیب دی۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء میں میر داد خان نے 'ہڈسن گھڑ سوار رجمنٹ' میں شمولیت اختیار کرلی۔ وہ 'رسالدار میجر' کے عہدے تک ترقی کر گئے، جو اس وقت تک سب سے اونچا عہدہ تھا جو کوئی مقامی باشندہ حاصل کر پاتا تھا"۔

Khan, were once visiting Nurpur for the annual mela when they came upon a British cavalry regiment carrying out their training routine. Being fond of horses, father and son stopped to watch. Noticing the interest shown by the young Mir Dad Khan, the commanding officer encouraged him to join the cavalry. In 1880, Mir Dad Khan joined the Hodson's Horse Regiment. He rose to the rank of Risaldar Major, the highest rank an Indian could attain in the army at that time.[26]

معلوم ہوا کہ جنرل ایوب خان کا والد بھی فرنگیوں کا 'نمک خوار' تھا۔ چنانچہ بیٹا بھی اسی چلن پر چلا اور علی گڑھ یونیورسٹی سے ہوتا ہوا رائل ملٹری کالج 'سینڈہرسٹ' میں پہنچا۔ 'سینڈہرسٹ' میں تربیت پانے کے بعد ۲ فروری ۱۹۲۸ء کو 'سیکنڈ لیفٹیننٹ' کے طور پر رائل انڈین آرمی میں بھرتی ہوا۔ اس نے دوسری جنگِ عظیم میں برما کے محاذ پر اپنے آقا برطانیہ کا دفاع کیا اور اس کے بعد اسے ۱۹۴۷ء میں وزیرستان میں مجاہدین کی سرکوبی کے

[26] Glimpses Into The Corridors of Power، ص۲

لیے تعینات کیا گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد یہ مشرقی پاکستان میں 'جی او سی' رہا۔ برطانیہ کی وفاداری کے سبب اسے جنوری ۱۹۵۱ء میں جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا جب جنرل ڈگلس گریسی ریٹائر ہوا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جنرل گریسی کے بعد میجر جنرل افتخار خان کو کمانڈر انچیف بنایا جانا تھا کیونکہ وہ برطانیہ کا سب سے زیادہ منظورِ نظر تھا لیکن وہ ایک حادثے میں مر گیا۔ اس کے بعد پاکستانی فوج میں فرنگیوں کا دوسرا بڑا وفادار جنرل ایوب خان تھا، سو اسے کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔ اس انتخاب میں اسکندر مرزا کا بھی پورا ہاتھ تھا۔

جنرل ایوب خان کی سیاست میں مداخلت

کمانڈر انچیف بننے کے بعد جنرل ایوب خان سیاسی معاملات میں اثر انداز ہونے لگا۔ وہ وزیر اعظم لیاقت علی خان کے مشیروں میں شامل ہو گیا۔ لیاقت علی خان کے قتل کے بعد جب گورنر جنرل کا عہدہ غلام محمد کے ہاتھ میں آگیا تو یہ اسکندر مرزا کے ساتھ غلام محمد کے قریب ہو گیا۔ ۱۹۵۴ء میں یہ وزیرِ اعظم محمد علی بوگرہ کی کابینہ میں وزیرِ دفاع کے طور پر شامل ہو گیا اور اسی عہدے پر اگلے چار سال فائز رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء کے بعد پاکستانی سیاست میں میجر جنرل اسکندر مرزا کے ساتھ دوسری بااثر شخصیت جنرل ایوب خان کی تھی۔ اس سارے عرصے میں جنرل ایوب خان سرکاری اور غیر سرکاری... دونوں سطحوں پر امریکہ و برطانیہ کے ساتھ رابطے میں رہا۔ قدرت اللہ شہاب نے تو لکھا ہے کہ ۱۹۵۴ء میں ایوب خان نے برطانیہ کے دورے کے دوران ہی اپنے اقتدار میں آنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا جسے چار سال بعد عمل میں لانے کا اسے موقع ملا۔ اسے ایوب خان کا 'لندن پلان' بھی کہا جاتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں صدر اسکندر مرزا کے مارشل لاء لگانے کے فیصلے سے جنرل ایوب خان کو براہِ راست حکومت اپنے کنٹرول میں کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ جنرل ایوب خان نے مارشل لاء لگا کر زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، ملک کی صدارت سنبھال لی اور فوجی افسران پر مشتمل اپنی کابینہ بنائی۔ جنرل ایوب خان نے اقتدار

میں آتے ہی سیاستدانوں کی سرکوبی کے لیے ایبڈو (EBDO)[27] کا قانون جاری کیا اور بیشتر سیاستدانوں کو سیاست سے بے دخل کیا۔ صدر ایوب نے سیاسی جماعتوں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگادی۔ پارلیمانی نظام کو صدارتی نظام میں تبدیل کر دیا۔ سیاست دانوں کو بدنام کرنے کے لیے ساٹھ ہزار سیاستدانوں کو ایبڈو کے تحت نااہل قرار دے دیا جن میں سے تیس ہزار کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا۔ پریس اور پبلیکیشنز آرڈر جاری کرکے آزادی صحافت کو سلب کرلیا۔ فیڈرل نظامِ حکومت کی بجائے وحدانی نظام متعارف کرایا۔ مارشل لا کا ہتھکنڈا استعمال کرکے کرپشن اور نااہلی کے الزام میں ۱۳۰۰ سول سرونٹس کو ملازمتوں سے فارغ کردیا۔ دفاع کے اخراجات اس قدر بڑھادیے کہ قوم کے وسائل ان کے متحمل نہ تھے۔[28]

آخر ۱۹۶۲ء میں جنرل ایوب خان نے آئین جاری کیا، صدارتی کابینہ اور پارلیمنٹ بنائی اور 'کنٹرولڈ جمہوریت' کے فلسفے پر حکومت چلائی۔ دو سال بعد جنوری ۱۹۶۵ء میں صدارتی انتخابات کا ڈھونگ رچا کر اور اس میں فاطمہ جناح کو فوج کی مدد سے ہرا کر جنرل ایوب خان اگلے پانچ سالوں کے لیے صدر بن بیٹھا۔ ان پانچ سالوں میں ملک کے حالات دگرگوں ہوگئے۔ معاہدہ 'تاشقند' کے ذریعے جب پاکستان نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں قبضہ کیے ہوئے علاقے بھارت کو واپس کر دیے اور کشمیر پر سودے بازی کرلی تو مسلمانانِ پاکستان میں جنرل ایوب خان کے خلاف غم وغصہ بھر گیا۔ اسی دوران جنرل ایوب خان کی طبیعت بھی پے درپے دل کے دوروں سے مضمحل ہوگئی تو وقت کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے مارچ ۱۹۶۹ء میں امریکہ بہادر کے اشارے پر اقتدار سنبھال لیا۔ جنرل یحییٰ کے اقتدار پر بات کرنے سے پہلے جنرل ایوب خان کی اسلام دشمنی اور امریکہ غلامی پر بات کرنا بے سود نہ ہوگا۔

---

[27] Elective Bodies Disqualification Order

[28] جرنیل اور سیاست دان تاریخ کی عدالت میں؛ ص ۴۳

جنرل ایوب خان کی اسلام دشمنی

گوہر ایوب جو ۱۹۵۷ء کے آخر میں بطور کپتان اپنے والد ایوب خان کا ADC[29] بن گیا تھا۔ وہ اس دور میں اپنے والد کے نوجوان افسروں سے خطابات کرنے کے حوالے سے لکھتا ہے:

In Father's addresses to the officers (particularly in the officers' mess), he would not restrict himself strictly to military matters. He would often advise the officers on matters such as family planning and ways to better their lives.... Though he was criticized by the Ulema and religious parties for his position on various issues (such as family planning), he cared very little for their objections and thought them to be out-of-step with the modern world.[30]

"افسروں سے خطابات میں (بالخصوص آفیسرز میس کے خطابات میں) والد صرف عسکری امور پر گفتگو تک خود کو محدود نہ رکھتے تھے۔ وہ اکثر افسروں کو خاندانی منصوبہ بندی اور اپنی زندگیاں بہتر کرنے کے حوالے سے بھی نصیحت کرتے تھے... گو انھیں علماء اور دینی جماعتوں کی طرف سے کئی معاملات میں ان کے مواقف پر تنقید کا سامنا کرنا پڑتا تھا (جن میں سے ایک خاندانی منصوبہ بندی بھی تھا)، لیکن وہ بہت کم ان لوگوں کی بات پر دھیان دیتے تھے اور وہ ان (اہلِ دین) کو جدید دنیا سے بہت پیچھے 'دقیانوس' سمجھتے تھے"۔

ایوب خان اپنے پیش رو اسکندر مرزا کی طرح اسلام دشمن اور سیکولر تھا۔ اس کے نظریات میں ریاستی

29 Aide-de-camp یعنی کسی سینئر فوجی افسر یا حکومتی عہدیدار کا معاون خاص

30 Glimpses Into The Corridors of Power، ص ۳۴

معاملات میں اسلام کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ۱۹۶۲ء میں پاکستان میں جو عائلی قوانین نافذ کیے، وہ اسلام مخالف اور شریعت سے متصادم تھے۔ اس پر علمائے کرام نے سخت تنقید کی اور ایسے حاکم کے کفر کا فتویٰ بھی دیا۔[31] اسی طرح جنرل ایوب خان نے سود پر مبنی معیشت کو فروغ دیا، حالانکہ اسلام سود کو اللہ سے جنگ قرار دیتا ہے۔

بات صرف یہاں تک نہ تھی، بلکہ جنرل ایوب خان نے اول کوشش یہ کی کہ پاکستان کے ساتھ 'اسلامی' کا سابقہ بھی نہ رہے اور بطور آرڈیننس اسے ہٹانے کا حکم دیا کیونکہ سیکولر نظریات کا حامل ہونے کی وجہ سے اس کے نزدیک اسلام کا ریاستی امور سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن بعد میں اپنے سیکرٹری کے اصرار پر اس نے منافقت کے تحت اپنا حکم واپس لے لیا۔ اندازہ کیجیے کہ جنرل ایوب خان تو اس حد تک جسارت کرنے والا تھا کہ وہ ملک جو اسلام کے نام پر بنا، دس سال بعد ہی اس کے نام سے بھی اسلام کا لاحقہ ہٹا دیا جائے۔ ویسے شاید اگر وہ ایسا کر دیتا تو ہمیں اپنے دینی طبقے اور اپنے عوام کو یہ سمجھانا آسان ہو جاتا کہ یہ جرنیل اور حکمران پاکستان کو اس کے اصل مقصد 'لا الہ الا اللہ' سے دور کرنا چاہ رہے ہیں تاآنکہ ہم اٹھ کھڑے ہوتے، ایک نئی تحریکِ آزادی شروع کرتے اور پاکستان کو از سرِ نو آزاد کرتے، لیکن جرنیلوں کی منافقت نے اس پر پردہ ڈالے رکھا۔

جنرل ایوب خان کا یہ سیکرٹری 'قدرت اللہ شہاب' تھا جو اپنی خودنوشت میں جنرل ایوب خان کے ابتدائی دنوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس نئے دور میں کام شروع کرتے ہی میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد اب تک جتنے سرکاری اعلانات، قوانین اور ریگولیشن جاری ہوئے ہیں، ان میں صرف حکومتِ پاکستان کا حوالہ دیا ہے، حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ شاید ڈرافٹنگ میں غلطی کی وجہ سے ایک آدھ بار یہ فروگذاشت ہوگئی ہوگی۔ لیکن جب ذرا تفصیل

[31] فتاویٰ بینات میں اس وقت کے ایک استفتاء کے جواب میں مولانا عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ درج ہے جس میں ایسے حاکم پر ارتداد کا حکم لگایا گیا جس نے اسلام کے قطعی محکم قوانین کے خلاف قوانین نافذ کیے۔ مکمل فتویٰ وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ جس تواتر سے یہ فروگذاشت دہرائی جارہی ہے، وہ سہواً کم اور التزاماً زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

اس پر میں نے ایک مختصر سے نوٹ میں صدر ایوب کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اگر وہ اجازت دیں تو وزارتِ قانون اور مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کی توجہ اس صورتحال کی طرف دلائی جائے اور ان کو ہدایت دی جائے کہ جاری شدہ تمام اعلانات و قوانین کی تصحیح کی جائے اور آئندہ کے لیے اس غلطی کو نہ دہرایا جائے۔

صدر ایوب کا قاعدہ تھا کہ وہ فائلیں اور دوسرے کاغذات روز کے روز نپٹا کر میرے پاس واپس بھیج دیا کرتے تھے، لیکن معمول کے برعکس یہ نوٹ کئی روز تک میرے پاس واپس نہ آیا۔ ۵ نومبر کی شام کو میں اپنے دفتر میں بیٹھا دیر تک کام کر رہا تھا۔ باہر ٹیرس پر صدر ایوب اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کسی معاملے پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب سب لوگ چلے گئے تو صدر میرے نوٹ کا پرچہ ہاتھ میں لیے میرے کمرے میں آئے۔ وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے۔ آتے ہی انھوں نے میرا نوٹ میرے حوالے کیا اور کہا: ’تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے، ڈرافٹنگ میں کسی نے کوئی غلطی نہیں کی۔ بلکہ ہم نے سوچ سمجھ کر یہی طے کیا ہے کہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان سے اسلامک کا لفظ نکال دیا جائے‘۔

’یہ فیصلہ ہو چکا ہے یا ابھی کرنا ہے‘ میں نے پوچھا۔

صدر ایوب نے کسی قدر غصے سے مجھے گھورا اور سخت لہجے میں کہا: ’ہاں! ہاں! فیصلہ ہو گیا ہے۔ کل صبح پہلی چیز مجھے ڈرافٹ ملنا چاہیے۔ اس میں دیر نہ ہو‘۔

اتنا کہہ کر وہ خدا حافظ کہے بغیر تیز تیز قدم کمرے سے باہر نکل گئے۔ اگر مجھ میں ہمت ہوتی تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگتا اور انھیں روک کر پوچھتا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سے اسلامی کا لفظ حذف کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ لیکن اتنی ہمت مجھ میں نہ تھی، اس لیے میں بھی دم دبائے چپ چاپ گھر واپس آگیا۔ بڑے سوچ بچار کے بعد صبح کے قریب میں نے پریس ریلیز تو تیار نہ کیا بلکہ اس

کی جگہ دو ڈھائی صفحوں کا ایک نوٹ لکھا، جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ پاکستان کو اسلام سے فرار ممکن نہیں۔ اس ملک کی تاریخ پرانی لیکن جغرافیہ نیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ریڈ کلف لائن صرف اس وجہ سے کھینچی گئی تھی کہ ہم نے یہ خطہ ارضی اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اب اگر پاکستان سے اسلام کا نام الگ کر دیا گیا تو حد بندی کی یہ لائن معدوم ہو جائے گی...... اس لیے اسلام ہماری طبعِ نازک کو پسندِ خاطر ہو نہ ہو، اسلام ہماری طرزِ زندگی کو راس آئے یا نہ آئے، ذاتی طور پر ہم اسلام کی پابندی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اگر آخرت کے لیے نہیں تو اسی چند روزہ زندگی میں خود غرضی کے طور پر اپنے وطن کی سلامتی کے لیے ہمیں اسلام کا ڈھول اپنے گلے میں ڈال کر بر سرِ عام ڈنکے کی چوٹ پر بجانا ہی پڑے گا، خواہ اس کی دھمک ہمارے حسنِ سماعت پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔

...... میں اپنے آفس وقت سے پہلے پہنچ گیا۔ خیال تھا کہ صدر ایوب کے آنے سے پہلے اپنا نوٹ ٹائپ کروا رکھوں گا۔ لیکن وہاں دیکھا تو صدر صاحب پہلے ہی بر آمدے میں ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کمرے میں آ گئے اور پوچھا: 'ڈرافٹ تیار ہے؟'

میں نے جواب دیا کہ تیار تو ہے لیکن ابھی ٹائپ نہیں ہوا۔

'کوئی بات نہیں' انھوں نے کہا۔ 'ایسے ہی دکھاؤ'۔

وہ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے اور میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ پڑھنے لگے۔ چند سطریں پڑھ کر کچھ چونکے اور پھر از سرِ نو شروع سے پڑھنے لگے۔ جب ختم کر چکے تو کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر آہستہ سے بولے: Yes, Right You Are۔ پھر نوٹ ہاتھ میں لیے کمرے سے چلے گئے۔ اس کے بعد اس موضوع پر پھر کسی نے کبھی کوئی بات نہیں کی"۔

اس واقعے سے ایوب خان کے ارادوں کا علم ہوتا ہے، لیکن جب اسے اپنے سیکرٹری کی طرف سے ہی ایسے جواب کا سامنا کرنا پڑا اور پھر سیکرٹری نے بھی یہ راہ دکھلا دی کہ اگر دل و ذہن نہیں بھی مانتا تو کم از کم منافقت کرتے ہوئے یہ سابقہ لگا رہنے دیا جائے۔ اسی بنیاد پر ایوب خان نے منافقت کے تحت اسلام کا سابقہ رہنے دیا۔

ایک اور واقعہ جو ایوب خان کی بے دینی کی مثال ہے جسے قدرت اللہ شہاب نے ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جن دنوں ایوب خان صدارت پر فائز ہوا تو اس نے آئین سازی کی طرف توجہ دینا چاہی۔ اس کے لیے آئین کمیشن کی سفارشات اسے پسند نہ آئیں۔ نتیجے میں اس نے خود یہ کام اپنے سر لینے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے اپنی سرکردگی میں ایک کمیٹی بنا کر نشستوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک روز صدر ایوب نے حسبِ معمول اپنے سیاسی فلسفے پر ایک طولانی تقریر ختم کی تو ایک سینیئر افسر... جو مرزائی تھا... وجد کی کیفیت میں آکر جھومتے ہوئے اٹھا اور سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر عقیدت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا: 'جناب! آج تو آپ کے افکارِ عالیہ میں پیغمبری شان جھلک رہی تھی'۔ (لا حول ولا قوۃ اِلا باللہ)

قدرت اللہ شہاب کے بقول یہ خراجِ تحسین وصول کرنے کے لیے صدر ایوب نے بڑی تواضع سے گردن جھکائی۔ قدرت اللہ شہاب کو صدر ایوب کے اس رویے سے خطرہ ہو گیا کہ کہیں واقعی ایوب خان اوپر کی طرف نہ اڑنے لگے (اور پیغمبر بننے کی نہ ٹھان لے) تو بیچ میں آکر اس نے صدر ایوب کو مخاطب کر کے اس مرزائی افسر کو ملامت کیا تو معاملہ باہم بگڑ گیا اور پھر ایوب خان نے معاملہ رفع دفع کیا۔[32]

جنرل ایوب خان اور امریکہ غلامی

جنرل ایوب خان پاکستان میں امریکہ کا خاص وفادار تھا اور اس نے اقتدار میں آنے سے پہلے اور بعد میں امریکہ سے خوب وفاداری نبھائی۔ قدرت اللہ شہاب نے لکھا ہے:

"اقتدار میں آنے سے بہت عرصہ قبل ہی ایوب خان صاحب امریکہ پرستی کے بین الاقوامی فیشن ایبل مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ بری افواج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے انھوں نے پاکستانی حکومت سے بالا بالا واشنگٹن میں امریکی فوجی ہیڈ کوارٹر Pentagon سے نہایت گہرے دوستانہ روابط قائم کر رکھے تھے۔ امریکی فوجی لیڈروں کے اثر ور سوخ کے تحت اور ان کی رہنمائی میں ہمارے کمانڈر انچیف نے اپنی افواج کو اس طور پر منظم آراستہ اور مسلح کرنا شروع کیا کہ آئندہ ہمیں امریکہ کی فوجی امداد کے بغیر اپنے

---

[32] شہاب نامہ؛ ص ۷۶۳، ۷۶۴

پاؤں پر کھڑا ہونا یا متبادل دفاعی حکمتِ عملی اختیار کرنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا“۔

جنرل ایوب خان نے ستمبر اکتوبر ۱۹۵۳ء میں سول حکومت کو اعتماد میں لیے بغیر اپنی منشا کے مطابق امریکہ کا دورہ کیا، حالانکہ پاکستان کے سویلین سربراہ اور وزیرِ خارجہ امریکہ کا دورہ کرنے کا پروگرام ترتیب دے رہے تھے۔ ایوب خان نے مناسب قیمت پر ایک ایسی ڈیل کی کوشش کی جس کے مطابق پاکستان مغرب کے اتحادی کا کردار ادا کر سکے۔ امریکہ کے صدر ’آئزن ہاور‘ (Dwight Eisenhower) نے کوریا سے توجہ ہٹا کر پاکستان، ایران، ترکی اور عراق جیسی فرنٹ لائن ممالک کی عسکری صلاحیت بڑھانے پر توجہ دی جس کا مقصد روس کے گرد ایک مضبوط حصار قائم کرنا تھا۔ شیریں طاہر خیلی نے The United States and Pakistan میں لکھا ہے کہ امریکی تعاون حاصل کرنے کے لیے ایوب خان اس حد سے آگے چلے گئے کہ انھوں نے امریکی اہلکار کو کہا کہ:

اگر آپ چاہیں تو ہماری آرمی آپ کی آرمی بن سکتی ہے۔	Our army can be your army if you want.[33]

شرط یہ ہے کہ قیمت مناسب دی جائے[34]۔

جنرل ایوب خان اس خطے میں امریکی مفادات کا سب سے بڑا علمبردار تھا اور اس نے ہر اس قدم کی بھرپور مخالفت کی جس کے ذریعے امریکی امداد کو کم کرنے کی کوشش گئی۔ اگست ۱۹۵۸ء میں جب سٹیٹ بینک کے گورنر عبد القادر نے حکومت کو مشورہ دیا کہ افراطِ زر کو کنٹرول کرنے کے لیے دفاعی بجٹ اور امریکی ایڈ کم کی جائے تو جنرل ایوب خان نے وزیرِ اعظم کو خط لکھ کر گورنر سٹیٹ بینک کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے اور اس کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کو روکنے کی ہدایت کی۔[35]

---

[33] The United States and Pakistan، ص ۳۔ بحوالہ جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں، ص ۵۱

[34] جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں، ص ۵۱

[35] Pakistan’s first Military Ruler، الطاف گوہر، ص ۱۴۴۔ بحوالہ جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں، ص ۵۸

جنرل ایوب خان نے اپنے دورِ صدارت میں پاکستانی فوج کو عملی اور فکری طور پر امریکہ کی فوج بنادیا۔ پھر اس کے بعد امریکہ نے اپنی خواہش اور مفاد کے مطابق پاکستانی فوج سے کام لیا۔ صدر ایوب نے امریکی میل کی وجہ سے فوج کے اسٹرکچر کو تبدیل کر دیا۔...... امریکی ٹریننگ اور تکنیک کے ساتھ ساتھ امریکی نظریہ بھی فوجی تعلیم کا حصہ بنا۔[36]

دائرہ معارف Wikipedia میں ایوب خان کے دورِ حکومت کے حوالے سے درج ہے:

"ایوب خان نے اپنے پیش رو کی طرح سرد جنگ میں امریکہ کے ساتھ اتحاد کی پالیسی کو جاری رکھا، سینٹو میں شمولیت اختیار کی، امریکہ اور برطانیہ کو پاکستانی اڈوں تک رسائی دی، بالخصوص پشاور سے باہر موجود ایئر بیس تک رسائی دی جہاں سے سوویت یونین کے خلاف 'یو ٹو' جاسوسی طیارے اڑان بھرتے تھے"۔

Ayub Khan continued his predecessors' policy of an alliance with the United States during the Cold War, joining CENTO, and allowing the U.S. and Britain access to facilities inside Pakistan, most notably the airbase outside of Peshawar, from which U-2 intelligence flights over the Soviet Union were launched.

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ایوب خان امریکہ کا ٹوڈی تھا۔ کمانڈر انچیف رہتے ہوئے وہ مستقل امریکہ سے رابطے میں رہا اور امریکہ کی ہدایات کے مطابق فوج کا نظم ونسق بناتا رہا، امریکہ کی مرضی سے سیاست میں دخیل رہا اور پھر امریکہ ہی کی مرضی سے حکومت کرتا رہا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اپنے اور پرائے سب نے اس کا اعتراف کیا۔ گو اس نے منافقت اپناتے ہوئے اپنی کتاب کا عنوان ' Friends, not

[36] سٹیفن کوہن کی The Idea of Pakistan، ص ۱۰۲۔ بحوالہ جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں، ص ۷۶

Masters' ایسا منتخب کیا جس سے وہ یہ احساس دلا سکے کہ وہ امریکہ کو اپنا دوست رکھنا چاہتا تھا، اپنا آقا نہیں بنانا چاہتا تھا، اور اس نے اپنی کتاب میں ایسے تمام معاملات کا کوئی ذکر نہیں کیا جس میں امریکی حکمرانوں، عہدیداران اور سفیروں سے تعلقات ظاہر ہوتے ہوں۔ لیکن اس کی یہ حقیقت اس کے پرسنل سیکرٹری قدرت اللہ شہاب، سیکرٹری اطلاعات الطاف گوہر اور دوسرے مصنفین نے کھلے لفظوں میں بیان کی ہے۔

اور یہ بات بھی شک وشبہ سے بالا ہے کہ ایوب خان ایک مثال ہے جس کی جھلک ہمیں اس کے بعد پاکستانی فوج کے ہر سربراہ میں نظر آتی رہی ہے اور آتی رہے گی۔ اس حقیقت سے چشم پوشی خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

جنرل آغا یحییٰ خان کا اقتدار

جب ایوب خان نے اپنی عمر پوری کرلی اور امریکیوں نے اس سے اپنے مفادات حاصل کرلیے تو اب امریکیوں نے چاہا کہ اس کی جگہ اس کا جانشین یحییٰ خان اقتدار سنبھال لے۔ چنانچہ ایوب خان کے آخری دور میں جنرل یحییٰ نے سیاسی حالات کی خرابی میں بھرپور کردار ادا کیا اور بالخصوص مشرقی پاکستان میں سیاسی حالات کو اپنی سازشوں سے مزید پیچیدہ بنادیا، جس میں ایوب خان کے لیے اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کرکے خود اقتدار سے علیحدہ ہونے کے علاوہ کوئی آپشن نہ تھا۔ الطاف گوہر... جو ایوب خان کے دور میں سیکرٹری اطلاعات تھے... بیان کرتے ہیں:

"امریکیوں کے لیے بھی ایوب خان کو بے دخل کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔ انھوں نے یحییٰ خان کا حوصلہ بڑھایا۔ یحییٰ خان نے پاورز اپنے اختیار میں لینے شروع کردیے۔ وزراء نے بھی فوج کی طرف رخ کرلیا۔ اس وقت یحییٰ خان نے آخری ضرب لگانے کے لیے عوامی ایجی ٹیشن کی حوصلہ افزائی کا فیصلہ کیا"۔[37]

[37] گئے دنوں کے سورج؛ ص ۴۴

جب صدر ایوب نے مارچ ۱۹۶۶ء میں جنرل یحییٰ کو آرمی چیف بنادیا تھا تو اب وہ صدر سے زیادہ بااختیار تھا اور بالآخر اسی اختیار کی بنیاد پر اس نے صدر ایوب کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا۔ الطاف گوہر آخری عرصے کے حوالے سے کہتے ہیں:

"ایک روز کراچی، ڈھاکہ اور لاہور میں جزوی مارشل لاء کا فیصلہ ہوا۔ ایوب خان نے یحییٰ کو کابینہ میں بلایا تو اس نے جزوی مارشل لاء سے صاف انکار کر دیا اور صورتحال وہی ہو گئی جو کبھی اسکندر مرزا کی ایوب خان کے سامنے تھی۔ بے شک تاریخ خود کو دہراتی ہے۔

پھر یحییٰ نے ایوب سے کہا: اپوزیشن برسرِ اقتدار آکر آپ کا ٹرائل کرنے کا منصوبہ بنارہی ہے۔ اگر آپ مجھے موقع دیں تو میں ان سب کو سیدھا کر دوں گا۔ بھٹو کیا، مجیب کیا، سب کی چھٹی کرادوں گا۔ ایوب خان باتوں میں آگئے۔ یحییٰ خان نے انھیں مشورہ دیا: آپ تین ماہ کے لیے چھٹی چلے جائیں اور مجھے ایک خط لکھ دیں کہ کمانڈر انچیف اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کریں۔ ایوب خان نے مجھے طلب کیا اور خط ڈرافٹ کرنے کا حکم دیا۔ میں خط دینے ان کے دفتر گیا تو انھوں نے مجھے کہا: تم یہ نہ سمجھنا میں ہٹ رہا ہوں۔ میں نے یحییٰ کو ہدایات دے دی ہیں اور ساتھ ہی فائل کھول کر وہ ہدایات پڑھنا شروع کر دیں جو انھوں نے بحیثیتِ صدر کمانڈر انچیف کو دیں۔ اسی اثناء میں اے ڈی سی اندر آیا اور یحییٰ خان کی آمد کی اطلاع دی۔ ایوب خان نے مجھے باہر بھیج دیا۔ بعد ازاں یحییٰ خان نے خط کا ڈرافٹ دیکھا اور اس کی منظوری دے دی۔ ایوب خان کے گمان میں ہی نہیں تھا کہ یحییٰ خان خط ملتے ہی شام کو مارشل لا لگا کر آئین ختم کر دے گا اور ساری پاورز اپنے قبضے میں لے لے گا۔ ایوب خان مارشل لاء کے بعد صرف دو دن ایوانِ صدر میں رہے"۔[38]

یہ بات اس قدر واضح ہے کہ الطاف گوہر کے علاوہ ایوب خان کے بیٹے گوہر ایوب نے بھی اپنی کتاب میں جنرل یحییٰ کے اس کردار کو ذکر کیا ہے۔ گوہر ایوب نے لکھا ہے کہ صدر ایوب خاں دل کا دورہ پڑنے سے شدید

[38] گئے دنوں کے سورج؛ ص ۴۵

بیمار ہوا تو اس نے چاہا کہ قائم مقام صدر کے طور پر سپیکر قومی اسمبلی تعینات ہو، جو اس وقت گوہر ایوب تھا۔ جب گوہر ایوب نے یہ بات جی ایچ کیو میں جنرل یحییٰ کو بتائی تو اس نے سختی سے رد کر دیا اور ایسا نہ ہونے دیا، بلکہ جنرل یحییٰ کے کہنے پر صدر کی ہلکی علالت کا بہانہ بنایا گیا اور کاروبارِ حکومت بغیر اعلان کیے جنرل یحییٰ کی مرضی سے چلتا رہا۔ جب ایوب خان کو یکے بعد دیگرے مزید دل کے دورے پڑے اور وہ سرکاری امور کے قابل ہی نہ رہا تو جنرل یحییٰ نے کھل کر معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اس موقع پر گوہر ایوب نے لکھا ہے:

"جب یہ عیاں ہو گیا کہ والد کے دن گنے جا چکے ہیں، جنرل یحییٰ خان نے اپنے گرد جرنیلوں کو آگے پیچھے کرنا شروع کر دیا۔ اس کے قریبی افسروں کو اہم عہدے دے دیے گئے... اقتدار پر قبضہ کرنے کی اس کی خواہش اس قدر عیاں تھی، کہ ہانگ کانگ کے دورے کے دوران جب جنرل یحییٰ خان سے ایک عشائیے میں کسی نے سوال کہ ایوب خان کے بعد ملک کا اگلا صدر کون ہو گا؟ تو پلک جھپکے بغیر جنرل یحییٰ خان نے جواب دیا: مستقبل کا صدر آپ کے سامنے کھڑا ہے!"۔

As it became apparent that Father's days were numbered, General Yahya Khan began to shuffle the generals around. Officers close to him were put in important positions.... So apparent was his desire to assume power that while on tour in Hong Kong, General Yahya attended a dinner where he was asked who would be president after Ayub Khan. Without batting an eye-lid, he said: 'The future president is standing before you'.[39]

[39] Glimpses Into The Corridors of Power، ص ۱۱۳

آگے چل کر گوہر ایوب نے اپنے والد کی وہ بات ذکر کر دی ہے جو ہمارے اس سارے موضوع کے لیے بڑی واضح دلیل ہے کہ یہ ملک دراصل فوجی جرنیلوں کے قبضے میں ہے، وہ جیسا چاہتے ہیں، کرتے ہیں۔ گوہر ایوب لکھتا ہے کہ ستمبر ۱۹۶۸ء میں ڈی آئی جی کراچی 'اے این ترین' نے اس سے ملاقات کی اور بتایا کہ وہ مستقل جنرل یحییٰ کے کراچی کے دوروں میں اس کی متابعت کر رہا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ عسکری انقلاب یعنی coup کے لیے میدان ہموار کیا جا چکا ہے۔ اے این ترین نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ایوب خان سے ملنا چاہتا ہے۔ گوہر ایوب نے اس کی ایوب خان سے ملاقات رکھ دی۔ ملاقات کے بعد جب گوہر ایوب نے ایوب خان سے کہا کہ اگر اس پولیس افسر کی باتوں میں سچائی ہے تو جنرل یحییٰ کی حرکتوں پر خصوصی دھیان رکھنا چاہیے۔ اس کے جواب میں ایوب خان نے تائید تو کی، لیکن:

"لیکن پھر اس نے کہا: تم نے تو جی ایچ کیو میں نوکری کی ہے، تمہیں جاننا چاہیے کہ جب پاکستان آرمی کا کمانڈر انچیف اپنے دماغ میں اقتدار پر قبضے کا فیصلہ کر لے تو اوپر اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جو اسے اس کام سے روک سکے"۔

But then he said: 'You have served in GHQ and should know that if the Commander-in-chief of the Pakistan Army gets it into his head to take over, then it is only God above who can stop him'.[40]

یہ تمام کا تمام کھیل امریکیوں کی اگر ڈِکٹیشن نہ کہیں تو امریکیوں کی ایماء پر ضرور کیا جا رہا تھا۔ اس کی گواہی جیسا کہ اوپر الطاف گوہر نے دی ہے، قدرت اللہ شہاب نے بھی دی ہے۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ ان دنوں پاکستان میں امریکہ کی طرف سے سفیر کے طور پر مسٹر اوہلرٹ (B.H Oelhert Jr.) تعینات تھا۔ جن آخری دنوں میں ایوب خان بیماری کے سبب جنرل یحییٰ کی تحویل میں تھا، اس وقت جنرل یحییٰ سے یہی اوہلرٹ رابطے میں تھا اور جنرل یحییٰ کے مارشل لاء لگانے سے چھ دن قبل انیس مارچ کو ہنگامی طور پر مسٹر اوہلرٹ امریکہ

---

[40] Glimpses Into The Corridors of Power، ص ۱۱۴

کے لیے روانہ ہو گیا، تاکہ جنرل یحییٰ کے مارشل لاء پر مہرِ تصدیق ثبت کروائے[41]۔

آغا یحییٰ خان کا تعارف

جنرل یحییٰ کی تو اپنی زندگی برطانیہ و امریکہ غلامی کی منہ بولتی تصویر تھی۔ وہ اپنی پوری فوجی نوکری میں امریکیوں اور برطانویوں کا چہیتا تھا۔ جنرل یحییٰ بھی ایوب خان کی طرح 'رائل انڈین آرمی' کا افسر تھا جس نے قیامِ پاکستان سے قبل دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کے لیے دادِ شجاعت دی اور اس پوری جنگ میں تین محاذوں (عراق، اٹلی اور شمالی افریقہ) پر لڑا۔ وہ اس جنگ کے دوران جون ۱۹۴۲ء میں شمالی افریقہ میں گرفتار بھی ہوا اور بعد میں اٹلی کے قیدیوں کے کیمپ سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنے کردار اور امریکہ و برطانیہ کی غلامی کے سبب محض ۳۴سال کی عمر میں بریگیڈیر کے عہدے پر اسے ترقی دی گئی۔ دائرہ معارف ویکی پیڈیا میں اس حوالے سے یہ جملہ درج ہے:

"محض ۳۴ سال کی عمر میں، اسے ...برطانیوں اور امریکیوں کے در پر مستقل سجدہ ریز رہنے کے سبب...بریگیڈیر کے عہدے پر ترقی دی گئی"۔

At the age of 34, he was promoted to Brigadier due to extensive bending over for the British and Americans.

اس جملے سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنرل یحییٰ اپنی نوکری کے دوران کس قدر غلامانہ کردار کا حامل تھا اور اسی کردار کے سبب امریکیوں کے دباؤ اور فرمائش پر ایوب خان نے جنرل یحییٰ کو اپنے دور میں ترقیاں بھی دیں اور بالآخر مارچ ۱۹۶۶ء میں 'کمانڈر انچیف' مقرر کر دیا۔ امریکہ غلامی کے علاوہ دوسری بڑی خاصیت جنرل یحییٰ کے کردار میں یہ تھی کہ وہ پوری دنیا میں اس وقت بھی 'شرابی' اور 'زانی' کے طور پر معروف و مشہور تھا۔ اسے hard drinking soldier کہا جاتا تھا۔ اپنے افکار میں بھی وہ انتہا درجے کا بے دین تھا جسے اسلام سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اسی نے ایوب خان کے دورِ صدارت میں پاکستانی فوج کو امریکیوں کے مطابق ڈھالنے

[41] شہاب نامہ؛ ص ۸۲۷

میں بنیادی ساتھ دیا۔

جنرل یحییٰ کا دورِ حکومت

جنرل یحییٰ نے حکومت کا کنٹرول سنبھالتے ہی مارشل لاء لگایا، اسمبلی اور وفاقی کابینہ تحلیل کر دی اور سارا نظامِ حکومت چار سربراہانِ افواج میں گردش کرنے لگا:

1. جنرل یحییٰ خان
(صدرِ مملکت، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر، اطلاعات، قانون، خارجہ اور دفاع کی وزارتیں)
2. لیفٹیننٹ جنرل عبد الحمید خان
(نائب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر، داخلہ اور امورِ کشمیر کی وزارتیں)
3. وائس ایڈمرل سید محمد احسن
(نائب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر، خزانہ، منصوبہ بندی کمیشن، کامرس، صنعت کی وزارتیں)
4. ایئر مارشل نور خان
(نائب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر، مواصلات، صحت، سائنس و ٹیکنالوجی کی وزارتیں)

مکمل جرنیلی نظام تھا جس میں تمام حکومتی امور کو خالص فوجی انداز میں چلایا جاتا رہا اور حکومتی فیصلوں کے خلاف عدالتوں میں اپیل سننے پر پابندی عائد رہی۔ جب ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات کرائے گئے تو اس کے نتیجے میں بھی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے مابین خلیج کو دو بھر کر دیا اور جب صورتحال جنرل یحییٰ کے ہاتھ سے نکلنے لگی تو اس نے مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کا فیصلہ کیا۔

جنرل یحییٰ اور بنگالی مسلمانوں کا قتلِ عام

جنرل یحییٰ نے مشرقی پاکستان میں حکومتی رِٹ قائم کرنے کے لیے مارچ ۱۹۷۱ء میں آپریشن 'سرچ لائٹ' (Operation Searchlight) کے نام سے فوجی مہم شروع کی جس میں قریباً ۳ لاکھ کے قریب بنگالی مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور ہزاروں بنگالی بہنوں کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا۔ آج تک پاکستانی جرنیلوں کا یہی

اسلوب ہے کہ حکومتی رٹ قائم کرنے کے لیے عوام کے خون کی ہولی کھیلی جائے۔ فوج کے اس رویے کے نتیجے میں بھارت نے مظلوم بنگالیوں کی حمایت کی اور دیکھتے ہی دیکھتے بنگالیوں نے پاکستانی فوج کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا اور پھر بھارت خود بھی جنگ میں کود پڑا۔ نو ماہ کے اندر ہی ...دسمبر ۱۹۷۱ء... میں پاکستانی فوج نے نوے ہزار فوجیوں کے ساتھ بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال کر بدترین شکست کو قبول کر لیا اور پاکستان دولخت ہو گیا۔

بنگالی مسلمانوں پر ظلم کی یہ داستان اتنی بھیانک ہے کہ اس کے بارے میں لکھتے ہوئے بھی قلم کانپتا ہے۔ کس طرح نہتے بنگالی مسلمانوں کو اسلحہ پوش وردی والوں نے گولیاں ماریں اور کس طرح بنگالی بہنوں کی عصمتیں پامال کیں۔ سرکاری سطح کی 'حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ' اس تاریخ کی گواہی کے لیے کافی ہے، گو اس میں بیان کردہ اعداد و شمار اصل حقیقت کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔

یہ جنرل یحییٰ کا کارنامہ تھا۔ یہ سب کارنامہ اسی بنیاد پر ہوا کہ فوجی جرنیل خود کو اس مملکتِ پاکستان کے سیاہ و سپید کے مالک سمجھتے ہیں، جو چاہیں کریں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جب جنرل یحییٰ نے دیکھا کہ ملک کا یہ حال ہو گیا ہے تو اس نے فوراً اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کیا اور خود کرسی صدارت سے اتر آیا۔ بھٹو نے اسے نظر بند کر دیا اور وہ جنرل ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے تک نظر بندی کی زندگی گزارتا رہا۔ لیکن وہ جنرل ضیاء الحق جس نے صرف 'ایک' قتل[42] کی بنیاد پر بھٹو کو پھانسی لٹکا دیا، لاکھوں مسلمانوں کے قتلِ عام کے باوجود... پاکستانی فوج کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے... جنرل یحییٰ کو باعزت بری کر دیا۔

[42] ذوالفقار علی بھٹو کو احمد رضا خان قصوری کے والد نواب محمد احمد قصوری کے قتل کے الزام میں پھانسی دی گئی جو بھٹو دور کے دوران ۱۹۷۴ء میں قتل ہوا تھا۔ اس جملے کا مقصد بھٹو سے ہمدردی کرنا نہیں، کیونکہ اس کے جرائم بھی کم نہیں، بلکہ یہ نکتہ واضح کرنا ہے کہ فوجی جرنیل اپنے جرنیلوں کو ہر حال میں تحفظ فراہم کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے جرائم کے لیے ڈھال بنتے ہیں۔ آج بھی جنرل پرویز مشرف کو اسی فوج نے تحفظ فراہم کیا ہوا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو اور کمانڈر انچیف جنرل گل حسن

پاکستان دو لخت کرنے کے بعد جب صورتحال فوج کے کنٹرول سے باہر ہو گئی تو فوراً جنرل یحییٰ خان نے اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دیا۔ بھٹو پاکستان کا پہلا سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر بن گیا۔ بھٹو جو 'اسکندر مرزا' کی بیگم 'ناہید' کے واسطے سے پاکستانی سیاست میں داخل ہوا، فوج کے سہارے ہی سیاست کا حصہ بنا رہا، بالخصوص جنرل ایوب خان نے اسے اپنی کابینہ کا حصہ بنایا اور وہ اس کے دور میں وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس دور کے بنیادی واقعات میں بھٹو بھی پیش پیش رہا اور مشرقی پاکستان کے الگ ہونے میں بھی بھٹو کا کردار بنیادی ہے۔ پاکستان کے حق میں اتنی بڑی خیانت کرنے کے باوجود اسی شخص کو دسمبر ۱۹۷۱ء میں ملک کا سربراہ بنا دیا گیا۔

بھٹو کو سربراہ بنانے میں بھی بنیادی کردار جرنیلوں کا ہی تھا۔ جنرل یحییٰ کے ساتھ فوج کا دوسرا سینئر افسر لیفٹیننٹ جنرل عبد الحمید خان تھا جو نائب مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر بھی تھا۔ ان دونوں کو مشرقی پاکستان کے ٹوٹنے پر... عوام اور خود فوجی جوانوں کی نفرت کے سبب... حکومت اور فوج سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اس کے بعد سینئر ترین افسر لیفٹیننٹ جنرل گل حسن تھا جو جنرل یحییٰ کے بعد پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف بنا[43]۔ جنرل گل حسن ہی کے اختیار سے اقتدار بھٹو کو منتقل ہوا اور اس کے پیشِ نظر یہی تھا کہ ۱۹۷۱ء میں پاکستانی فوج کی شکست کے بعد چونکہ ملک میں فوج کا وقار بری طرح مجروح ہوا ہے اور فوجی جوانوں اور عوام میں جرنیلوں کے خلاف شدید نفرت پھیل گئی ہے، اس صورتحال میں فوج کے لیے مزید اقتدار پر قابض رہنا ممکن نہیں رہا۔ اس بنیاد پر جنرل گل حسن نے طے کیا کہ کچھ عرصہ کے لیے حکومت بھٹو کے حوالے کر دی جائے اور مناسب وقت دیکھتے ہوئے دوبارہ اقتدار فوج اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے مارشل لاء لگا دے۔ بریگیڈیر اے آر صدیقی جو اس وقت فوج کے ادارے 'آئی ایس پی آر' کا سربراہ تھا، نے اپنی کتاب East Pakistan: The End Game میں یہاں

---

[43] یہ شخص پاکستانی فوج کا آخری 'کمانڈر انچیف' تھا۔ اس کے بعد بھٹو دور میں یہ عہدہ 'چیف آف آرمی اسٹاف' (Chief of Army Staff) کی شکل میں ڈھل گیا۔

تک لکھا ہے کہ جنرل گل حسن نے ایئر مارشل رحیم خان سے کہا:

"مجھے ڈر ہے کہ ہمارے پاس اس 'مسخرے' بھٹو کو موقع دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، آخر وہ اکثریتی پارٹی کا لیڈر رہے"۔

I am afraid we are left with no choice but to try this joker Bhutto after all he is now the leader of majority party.[44]

اس جملے سے اندازہ کیجیے کہ بھٹو کو حکومت حوالگی کا فیصلہ فوج کا سربراہ کر رہا ہے۔ اور پھر یہی فوج بھٹو کی مستقل نگرانی بھی کرتی رہی۔ خود بھٹو کے بقول جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم خان نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ دو سال انتظار کریں گے اور اس کے بعد دوبارہ اقتدار پر فوج کا قبضہ ہو جائے گا، لیکن ابتدائی حالات دیکھتے ہوئے جنرل گل حسن چھ ماہ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتا تھا[45]۔ بس اب کی مرتبہ بھٹو نے اقدام کرتے ہوئے جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم خان... دونوں کو عہدوں سے ہٹا دیا اور جنرل گل حسن کی جگہ اپنے افکار والا 'جنرل ٹِکّا خان' کو فوج کا نیا سربراہ نامزد کر دیا۔ یہ فوج کا واحد سربراہ ہے جس نے لیفٹ ونگ کے افکار اپنائے، بھٹو کی کابینہ میں شامل ہوا اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھٹو کی 'پاکستان پیپلز پارٹی' میں باقاعدہ رکنیت اختیار کی۔ چنانچہ اس کے ہوتے ہوئے بھٹو نے پانچ سال حکومت کی۔

یہ وہ وقت تھا جب امریکہ کی مدد سے فوج کے خفیہ ادارے 'آئی ایس آئی' کو مضبوط کیا گیا۔ اس وقت آئی ایس آئی کا سربراہ لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان تھا۔ یہ شخص امریکہ کا خادم خاص تھا۔ جنرل ٹکا خان سے مایوسی کے بعد امریکہ نے اسی جنرل غلام جیلانی خان کے ذریعے پاکستان پر اپنی بالادستی قائم رکھی۔ بھٹو کے آخری دور میں بہت سے ملکی معاملات اسی جنرل کے زیرِ اثر تھے اور اسی کے دباؤ پر بھٹو نے جنرل ٹکا خان کے بعد مارچ

---

[44] جرنیل اور سیاستدان؛ تاریخ کی عدالت میں، ص ۱۰۲

[45] The Military and Politics in Pakistan، ڈاکٹر حسن عسکری رضوی، ص ۱۹۶، بحوالہ جرنیل اور سیاستدان، ص ۱۰۷

۱۹۷۶ء میں 'جنرل ضیاء الحق' کو فوج کا سربراہ بنادیا، حالانکہ جنرل ٹکا خان اس فیصلے کے خلاف تھا[46]۔ پھر اسی جنرل غلام جیلانی خان کی مدد سے جنرل ضیاء الحق نے ایک سال بعد جولائی ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء لگا کر حکومت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی اور بھٹو اور جنرل ٹکا خان... دونوں کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا[47]۔

جنرل ضیاء الحق کا اقتدار

جنرل ضیاء الحق نے جولائی ۱۹۷۷ء میں اقتدار سنبھالتے ہی پاکستان میں ہر طرح کا سیاسی عمل ختم کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو پر مقدمہ چلا کر دو سالوں میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ لیکن اب کی مرتبہ جنرل ضیاء الحق نے نیا پینترا بدلا۔

یہ وہ وقت تھا جب ملک کی سابقہ تیس سالہ کارکردگی دیکھتے ہوئے پاکستان کے دینی طبقے میں سخت احتجاج موجود تھا۔ وہ دینی طبقہ جس نے قیامِ پاکستان کے لیے قربانیاں دی تھیں، ان کی قربانیاں ثمر آور ثابت نہ ہوئیں بلکہ پاکستان کے تیس سالوں میں اسے اسلام سے دور، بے دینی کی راہ پر لگا دیا گیا تھا۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق نے فوجی اقتدار کے ساتھ اسے اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی، تاکہ سیاستدانوں کی مخالفت کے باوجود دینی طبقے کو... دھوکہ دہی سے... ساتھ ملالیا جائے اور ان کے بل بوتے پر جرنیلی اقتدار کو قائم رکھا جائے۔

حقیقت میں جنرل ضیاء الحق اپنے پیش روؤں سے کسی طور مختلف نہ تھا۔ اگر کچھ مختلف تھا تو اس پہلو سے کہ یہ منافقت میں بہت آگے تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اگست ۱۹۸۸ء تک پورے گیارہ سال پاکستان پر حکمرانی کی۔ فضل الٰہیٰ کے بعد ستمبر ۱۹۷۸ء میں جنرل ضیاء الحق پاکستان کا صدر بھی بن گیا۔ اس عرصے میں جنرل ضیاء الحق نے تین عہدے اپنے پاس رکھے:

1. صدرِ مملکت
2. چیف آف آرمی سٹاف

[46] یہ بات خود بھٹو نے اپنی آخری کتاب If I am Assassinated (اگر مجھے قتل کیا گیا) میں ذکر کی ہے۔

[47] بھٹو کو پھانسی کی سزا سنائی گئی اور جنرل ٹکا خان کو رہا کر دیا گیا۔

3. مارشل لا ایڈمنسٹیٹر

جنرل ضیاء الحق نے اپنی حکومت میں بیشتر عہدے فوجی جرنیلوں ہی کو دیے اور جرنیلی انداز میں حکومت چلتی رہی، سیاستدانوں کی تو ملک میں کوئی حیثیت نہ تھی بلکہ وہ سیاستدانوں کو گدھا کہا کرتا تھا[48]۔ اس کی حکومت کے بنیادی ستون میں لیفٹیننٹ جنرل یعقوب خان تھا جو اس سے قبل یحییٰ کے دور میں مشرقی پاکستان میں بطور گورنر تعینات رہ چکا تھا اور عقیدے کے لحاظ سے اسماعیلی تھا، دوسرا نام لیفٹیننٹ جنرل کے ایم عارف کا تھا جو ضیاء کا نائب تھا، یہ بھی یحییٰ کے دور میں مشرقی پاکستان میں مذکورہ بالا جنرل یعقوب خان کے ہمراہ حکومتی خدمات انجام دے چکا تھا۔ ان دونوں کی رفاقت نے ضیاء کی حکومت کو کندھا دیا۔

اپنی مرضی کے لوگوں کو اپنا مشیر بنانے کے لیے ضیاء الحق نے پارلیمنٹ کی جگہ 'مجلسِ شوریٰ' کے نام سے مقننہ بنائی۔ اس کا ایک مقصد اپنے اقدامات کو اسلامی رنگ دینا بھی تھا۔ 'نواز شریف' اسی ضیائی دور کی پیداوار ہے جب وہ اس کی مجلسِ شوریٰ میں شامل ہوا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۸۵ء میں انتخابات کا ڈھونگ رچا کر اپنی مرضی کا وزیرِ اعظم مقرر کیا؛ 'محمد خان جونیجو' اور مارشل لاء اٹھا لیا۔ البتہ تمام اختیارات صدر کے پاس ہی رہے۔ تین سال جونیجو نے ضیاء کے سائے میں حکومت کی جس میں اس نے کئی کچھ جمہوری اقدامات کی بھی کوشش کی، لیکن جب ضیاء کے ساتھ جونیجو حکومت کی کشیدگی بڑھنے لگی تو ۱۹۸۸ء میں ضیاء نے جونیجو کی حکومت کو بھی برطرف کر دیا۔

ضیاء الحق کا تعارف

ضیاء الحق کا والد رائل انڈین آرمی سے وابستہ سٹاف کلرک تھا۔ ضیاء الحق کو مئی ۱۹۴۳ء میں رائل انڈین آرمی میں کمیشن ملا اور اس نے دوسری جنگِ عظیم میں برما کے محاذ پر جاپانیوں کے خلاف اپنے آقا 'برطانیہ' کا دفاع کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ پاکستانی فوج میں شامل ہو گیا۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک تین سال اس نے امریکہ میں 'امریکی فوج کے اسٹاف کالج کینساس' (US Army Command and General Staff

---

[48] Glimpses Into The Corridors of Power، ص ۱۸۸

College Fort Leavenworth, Kansas) میں فوجی تربیت حاصل کی تا کہ نئے آقا امریکہ کی غلامی کا ڈھنگ سیکھ لے۔ پھر اس غلامی کا عملی ثبوت دینے کے لیے ۱۹۶۷ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ضیاء الحق بطور بریگیڈیر اردن میں تعینات رہا جہاں اس نے اسرائیل کے دفاع میں فلسطینیوں کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگے۔

سیاہ ستمبر (Black September)، فلسطینیوں کا قتل اور ضیاء الحق

مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے اعلان کے ساتھ بہت سے فلسطینی مسلمان اردن کی طرف چلے آئے۔ دریائے اردن کے مغربی کنارے سے لے کر اردن میں عمان تک مختلف مقامات پر فلسطینیوں کے مہاجرین کیمپ بن گئے۔ پھر یہاں سے فلسطین کی آزادی کے لیے اور اسرائیل کے خلاف لڑنے کے لیے کئی فلسطینی تنظیمیں قائم ہو گئیں جن کے مراکز یہی مہاجرین کیمپ ہوا کرتے تھے۔ یہیں سے فلسطینیوں نے جنوری ۱۹۶۵ء میں اسرائیل پر حملے کیے اور پھر ۱۹۶۷ء میں چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا تھا۔ جس کے بعد فلسطینیوں کے مہاجرین کیمپ اردن کے مزید اندرونی شہروں میں منتقل ہو گئے۔

امریکہ و اسرائیل نے جب دیکھا کہ اردن میں فلسطینیوں کے یہ کیمپ اسرائیل اور مغربی طاقتوں کے لیے بڑا خطرہ بنتے جا رہے ہیں اور اردن کے بادشاہ ’شاہ حسین‘ نے بھی محسوس کیا کہ فلسطینیوں کا اثر و رسوخ اردن میں بڑھتا جا رہا ہے، تو امریکہ اور اردن کی حکومتوں نے فیصلہ کیا کہ ان فلسطینی مہاجرین کیمپوں کے خلاف اقدامات کیے جائیں۔ ان اقدامات کے نتیجے میں ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں اردنی فوجیوں اور فلسطینی فدائیوں کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئی۔

بالآخر امریکہ اور اردن نے فلسطینیوں کے قتلِ عام کا فیصلہ کیا۔ انھی دنوں امریکہ کا آزمودہ کار غلام ضیاء الحق بھی اردن میں پاکستانی فوج کی طرف سے تربیتی مشن کی سربراہی کر رہا تھا۔ امریکہ نے اسے یہ ذمہ داری سونپی۔ ضیاء الحق...جو اس وقت بریگیڈیر تھا...نے اردنی فوج کے کمانڈر انچیف ’حابس المجلّی‘ کے ساتھ مل کر آپریشن کی منصوبہ بندی کی۔ ۱۶ ستمبر کو ضیاء الحق کی سربراہی میں اردنی فوج نے عمان، اِربد، السلط، الزرقاء سمیت کئی شہروں میں فلسطینیوں کے کیمپوں پر ٹینکوں کے ساتھ چڑھائی کر دی اور بے تحاشا بمباری کی۔ کئی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر دیگر عرب حکومتوں کی وجہ سے یہ سلسلہ رک گیا۔ بعد ازاں ۲۷ ستمبر کو اردنی

فوج نے دوبارہ حملہ شروع کیا اور فلسطینی مجاہدین کو ’عجلون‘ اور ’جرش‘ کے پہاڑوں تک دھکیل دیا، جہاں بعد میں بے تحاشا بمباری کی گئی۔ یوں دس ہزار سے بیس ہزار تک فلسطینیوں کو ان حملوں کے دوران قتل کیا گیا۔

اس ساری کارروائی کا ماسٹر مائنڈ اور فلسطینیوں کا قاتل ’امریکہ‘ کا وفادار ضیاء الحق تھا۔ اسی کارکردگی کی وجہ سے امریکہ کی آشیر باد سے وہ پاکستان پر گیارہ سال حکومت کرتا رہا۔ ان گیارہ سالوں میں بھی اس نے امریکہ کا خوب حقِ نمک ادا کیا اور ان کے کھینچے ہوئے خطوط پر چلتا رہا۔

افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف ضیاء کی شرکت کی حقیقت

ضیاء الحق کے دور میں جب ۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو پاکستان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ روس افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد بلوچستان پر قبضہ کرکے گرم پانیوں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ دوسری طرف امریکی بلاک میں ہونے کی وجہ سے امریکہ بھی یہ چاہتا تھا کہ افغانستان میں روس کو شکست ہو۔ لہٰذا امریکہ کی ایماء اور امداد کے ساتھ ضیاء نے فیصلہ کیا کہ روس کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کی مدد کی جائے[49]۔ ہمارے یہاں بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ضیاء اور پاکستانی فوج نے اسلام کی محبت میں روس کے خلاف برسرِ پیکار مجاہدین کی مدد کی، حالانکہ یہ سب حقیقت کے خلاف ہے۔ اس کے لیے افسانے بھی گھڑے گئے اور کہا گیا کہ ضیاء الحق اتنا مسلمان ہے کہ تہجد کی نماز بھی اس سے قضا نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہی تھا تو امریکہ کی جھولی میں بیٹھ کر اس جنگ میں شرکت کا کیا معنی۔ اصل بات یہ ہے کہ ضیاء الحق اور پاکستانی فوج... جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے... امریکہ کی پوری طرح غلام فوج تھی اور اپنے تمام اقدامات میں امریکی احکامات سے سرِ مو انحراف نہ کر سکتی

[49] یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس وقت تمام مجاہدین کو امریکہ نے امداد نہیں دی، بلکہ جن گروپوں کی توثیق پاکستان نے کی انھیں یہ امداد دی گئی۔ عرب مجاہدین نے اس امداد میں سے کچھ نہیں لیا اور نہ امریکہ نے انھیں دیا ہے۔ یہ بات خود امریکہ نے بھی واضح کی ہے، اور اس حوالے سے عرب مجاہدین نے بھی ااس دور کے احوال لکھے ہیں۔ شیخ ابو مصعب سوری (بقیدِ حیات ہونے کی صورت میں اللہ انھیں رہائی دے، بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، آمین) نے اپنی کتاب دعوۃ المقاومۃ الاِسلامیۃ العالمیۃ میں اس بابت تفصیل سے کلام کیا ہے، جو چاہے وہاں رجوع کرلے۔ اللہ کی مشیت دیکھیے کہ جن گروپوں نے امریکی امداد لی، وہ بعد میں اقتدار کی ہوس میں خانہ جنگی میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مخلصین کو امیر المومنین ملا محمد عمر رحمہ اللہ کی قیادت میں متحد کرکے غالب کر دیا۔ وما یعلم جنود ربک اِلا ھو!

تھی۔ اس دور میں یہی ہوا۔ یہاں ہم خود انھی جرنیلوں اور معاملات میں شامل لوگوں کے حوالے سے اصل حقیقت واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

روس کے حملے کے بعد ضیاء الحق نے اپنی کابینہ کی میٹنگ بلائی، جس میں سول افراد نے افغانستان میں روس کے خلاف مداخلت کی مخالفت کرتے ہوئے ضیاء کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن ضیاء نے امریکی مفادات کے تحفظ اور اشتراکیت کی مخالفت کے سبب جنگ میں مداخلت کی رائے رکھی۔ فوجی افسران اس کی تائید میں تھے۔ اس وقت کے ڈی جی آئی ایس آئی میجر جنرل اختر عبد الرحمن نے اس کی تائید کی اور کہا ہم امریکہ کی پروکسی جنگ افغانستان میں لڑیں گے۔ انھوں نے میٹنگ کے دوران یہ الفاظ تک بولے:

Kabul must burn! Kabul must burn!

”کابل کو ضرور جلنا چاہیے! کابل کو ضرور جلنا چاہیے“!

ضیاء نے اس کام کی ذمہ داری پھر اسی ڈی جی آئی ایس آئی کو سونپی۔ یہ آپریشن بعد میں امریکی سی آئی اے کے ’آپریشن سائیکلون‘ (Operation Cyclone) کا حصہ بن کر انجام پایا۔ پاکستانی فوج کی طرف سے افغان جنگ میں شرکت کی پوری نگرانی سی آئی اے اور امریکی عہدیداران نے براہِ راست خود کی، جو اس عرصے میں اکثر و بیشتر پاکستان میں ہی تعینات رہے۔ یہ تمام تفصیلات بریگیڈیر جنرل ریٹائرڈ محمد یوسف نے اپنی کتاب Silent Soldier: The Man behind the Afghan Jehad General Akhter Abdur Rahman میں لکھی ہیں۔

خود پاکستانی فوج کے جرنیلوں کی یادداشتوں اور امریکی عہدیداران کی کتابوں کی خوب ورق گردانی کیجیے، یہ تاثر بہت واضح اور باوثوق انداز میں ابھرتا ہے کہ پاکستان کی اس جنگ میں مداخلت کا سبب امریکہ نواز خارجہ پالیسی تھی اور اس پورے دور میں پاکستان کی فوجی حکومت اور خود فوج کے کردار کے پیچھے امریکہ اور اس کے مفادات تھے، نہ کہ اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ۔

اس کارکردگی کو واضح کرتے ہوئے پلڈیٹ (PILDAT) نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے جو رپورٹ شائع کی اور اس کا عنوان تھا: Pakistan's Foreign Policy: an overview 1974-

2004ء۔اس کے حوالے سے دائرہ معارف ویکی پیڈیا میں درج ہے:

"اس (امریکی) پروگرام (یعنی آپریشن سائیکلون) کا مکمل دارومدار پاکستانی صدر محمد ضیاء الحق پر تھا، جس کا امریکی عہدیدار 'ولسن' کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ اُس کی آئی ایس آئی نے امریکی فنڈ اور اسلحے کی تقسیم اور افغان مزاحمتی گروپوں کو عسکری تربیت دینے اور مالی تعاون کرنے میں وسیط کا کردار ادا کیا"۔

The program relied heavily on the Pakistani President Mohammad Zia ul-Haq, who had a close relationship with Wilson. His Inter-Services Intelligence (ISI) was an intermediary for funds distribution, passing of weapons, military training and financial support to Afghan resistance groups...

یہ بات تو اب اظہر من الشمس ہے کہ اس وقت روس کو شکست دینا امریکہ کی مجبوری تھی جس کے سبب اس نے روس کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کے ساتھ تعاون کیا اور اس تعاون کے لیے پاکستان کا واسطہ چنا گیا۔ لیکن یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان نے اس جنگ میں شرکت اسی امریکی ارادے کے تحت کی اور انھی مقاصد کی خاطر کی جو امریکہ کو مقصود تھے۔ اس کے لیے جنرل اختر عبد الرحمن کا مذکورہ بالا قول ہی کافی ہے جس میں نے اس نے کہا کہ !Kabul must burn اس میں اسلام اور مسلمانوں کی تائید کہاں؟

یہی وجہ ہے کہ جب روس شکست کھا کر بھاگ گیا اور وقت آ گیا کہ مجاہدین وہاں اپنی حکومت قائم کریں، اسی آئی ایس آئی نے خانہ جنگی کا منصوبہ بنا کر خانہ جنگی کروائی تاکہ !Kabul must burn ۔اسی آئی ایس آئی نے احمد شاہ مسعود کی پشت پناہی کی کیونکہ وہ افغانستان میں امریکی مفادات کا محافظ تھا۔ یہ بات خود پاکستانی فوج کے معروف چیلے 'زید حامد' نے بارہا بیان کی ہے۔

جنرل ضیاء الحق اور امریکہ کا ’یارانہ‘

’سٹیو کول‘ (Steve Coll) نے اپنی کتاب Ghost Wars; The Secret History of the CIA, Afghanistan and Bin Laden, from the Soviet Invasion to September 10, 2001 میں ضیاء الحق اور اس دور کی امریکی انتظامیہ کی محبت و دوستی کے حوالے سے درج ذیل باتیں ذکر کی ہیں:

- امریکی صدر رونالڈ ریگن خاص طور پر جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کا حامی تھا۔ اور اس نے ضیاء الحق کی فوجی حکومت کو اس وقت کیمونزم کے خلاف اپنا ’فرنٹ لائن‘ اتحادی قرار دیا تھا۔
- ریگن دورِ حکومت میں درج ذیل امریکی عہدیداران کا ضیاء کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور یہ لوگ اس دور میں اکثر پاکستان آتے جاتے رہے:
  - حکومتی عہدیداران:
    - سابق امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ ’ہنری کسنجر‘ (Henry Kissinger)
    - ریگن دور میں امریکی کانگریس کا سربراہ ’چارلی ولسن‘ (Charlie Wilson)
    - ’جوئین ہرنگ‘ (Joanne Herring)، وہ خاتون جس نے ضیاء اور امریکی حکومت میں قربت پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

یہ خاتون ضیاء کی بہت چہیتی تھی اور اسے اس درجے محبوب تھی کہ اگر کابینہ کی مجلس کے درمیان بھی اس کا فون آجاتا تو ضیاء مجلس چھوڑ کر اس کی بات سنتا۔ ضیاء دور کے وزیرِ خارجہ جنرل یعقوب خان نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ she absolutely had his ear, it was terrible ’تعجب خیز بات تھی کہ ضیاء کے کان اسی کے دھیان تھے‘۔ ضیاء کے ساتھ اس خاتون کی وابستگی اس وقت سے تھی جب وہ اردن میں بطور بریگیڈیر تعینات تھا۔ اسی تعلق کی وجہ سے ضیاء نے تمام قوانین بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے امریکہ میں پاکستانی قونصل خانے کا قونصلر بنادیا، یعنی ’امریکہ‘ میں پاکستان کا نمائندہ: ’امریکی‘! اسی طرح ضیاء نے اسے

پاکستان میں 'تمغہ قائداعظم' بھی عنایت کیا۔

- انٹیلی جنس عہدیداران:
  - انڈر سیکرٹری برائے دفاع 'مائیکل پلسبری' (Michael Pillsbury)
  - امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کا افسر 'گسٹ ایوراکٹوس' (Gust Avrakotos)
- فوجی افسران:
  - چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف 'جنرل ولیم' (William Vessey)
  - جنرل ہربرٹ (Herbert M. Wassom)

- ریگن چونکہ خود بھی امریکہ کے تناظر میں روایت پسند نظریات (American Conservatism) کا حامل تھا، اس نے ضیاء کو بھی تحریض دی کہ وہ اسلام کے روایت پسند ماڈل (Islamic Conservatism) کو اپنی حکومت میں فروغ دے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضیاء الحق اپنی سابقہ فوجی زندگی میں اور دورِ اقتدار میں امریکہ کے اشاروں پر چلنے والا ایک مہرہ تھا۔ روس کے خلاف سرد جنگ میں امریکہ کی سب سے بڑی خدمت اسی جنرل ضیاء الحق نے کی۔

جنرل ضیاء الحق کا 'اسرائیل' کے ساتھ تعلق

یہ تو ہم اوپر بھی دیکھ آئے کہ ضیاء نے جنرل یحییٰ کے دور میں اردن میں فلسطینیوں پر حملہ کرکے امریکہ واسرائیل کے ساتھ اپنی خصوصی وابستگی کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ہمارے خطے میں بعض حضرات کو یہ شک ہے کہ شاید ضیاء بعد میں توبہ تائب ہوگیا تھا حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ خود اسی روس کے خلاف جنگ میں ضیاء نے نہ صرف امریکہ کی غلامی کا دم بھرا، بلکہ براہِ راست اسرائیل کی چاکری بھی کی۔ امریکی عہدیدار 'چارلی ولسن' نے ہی بتایا ہے... جو امریکہ اور ضیاء کے درمیان وسیط تھا... کہ ضیاء نے اس آپریشن میں براہِ راست اسرائیلیوں سے بھی تعامل کیا، ان کے ساتھ خفیہ تعلق قائم کیا اور انھیں موقع فراہم کیا کہ وہ روس مخالف جنگ میں شریک ہوسکیں۔ آئی ایس آئی کی مدد سے اسرائیلی خفیہ ادارے 'موساد' نے روسی اسلحے کا توڑ کرنے والا اسلحہ

افغانستان بھجوایا۔ ولسن کے اپنے الفاظ میں ضیاء نے اسرائیلی خفیہ ادارے سے بس اس قدر گزارش کی:

”بس اتنا کرنا کہ اسلحے کے ڈبوں پر داؤدی ستارے کا نشان مت بنانا“۔ "Just don't put any stars of David on the boxes"[50]

ضیاء الحق کی پاکستان میں اسلامائزیشن کی کوششیں

یہاں ہمارا موضوع چونکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ اس ملک میں فوج ہی اصل قوت ہے اور یہ قوت امریکہ کے مفادات کی محافظ ہے اور اسی بنا پر یہی قوت اس ملک میں حقیقی اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس پسِ منظر میں کوئی سوچ سکتا ہے کہ اگر اس ملک میں کسی حکمران نے اسلامائزیشن کی کوشش کی ہے تو وہ صدر ضیاء الحق ہی تو ہے۔ اس لیے ہم یہاں اس پر سرسری نگاہ ڈال لیتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ یہ مرحلہ اسی دھوکہ دہی کا تسلسل تھا جس کا آغاز پچھلے حکمرانوں نے کر رکھا تھا... جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ جنرل یحییٰ کے بعد جب ذوالفقار علی بھٹو بھی اقتدار میں آیا تو کیمونسٹ افکار کا حامل ہونے کے باوجود اس نے بھی اسلامائزیشن کے دھوکے کو جاری رکھا۔ اس نے اپنے دور میں قادیانیت کے کافر ہونے کا قانون پاس کیا اور شراب پینے بیچنے پر اور نائٹ کلبوں پر پابندی بھی لگوائی۔ لیکن یہ تو بھٹو کی طرف سے پاکستان کو سیکولر بنانے کی کوششوں کے مقابلے میں اتنا ہی تھا جیسے آٹے میں نمک، اور مقصود یہی تھا کہ کہیں کھلا کفر دیکھ کر مسلمان مشتعل نہ ہو جائیں۔

اسی مرحلے کو صدر ضیاء الحق نے جاری رکھا، لیکن اس وقت امریکہ کی ضرورت تھی کہ کیمونزم کے افکار کے مقابلے کے لیے اسلام کا نام کھل کر لیا جائے۔ ہم اوپر پڑھ بھی آئے کہ ریگن خود پاکستان میں اسلامائزیشن کا حامی تھا اور اس عمل میں امریکہ کی خوشنودی شامل تھی۔

دوسری بات یہ جانچنے کی ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں کس قدر اسلامائزیشن عمل میں آئی!؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ واویلا زیادہ کیا گیا اور عمل کم۔ ضیاء الحق کی طرف سے جو اسلامائزیشن کی کوششیں ہوئیں، اس میں

[50] The Economist کا ۳۱ جولائی ۲۰۰۳ء کا اداریہ بعنوان: Tricky Diplomacy بحوالہ دائرہ معارف ویکی پیڈیا

بنیادی دو کام ہوئے:

الف) عدالتوں میں شریعہ بینچ بنائے گئے۔

ب) حدود آرڈیننس جاری کیا گیا۔

علمائے کرام جانتے ہیں کہ ان دونوں کی بدولت پاکستان میں کس قدر اسلام آیا۔ جہاں تک شریعہ بینچ کی بات ہے تو اس کے منافقانہ قدم ہونے کی دلیل میں درج ذیل تین باتیں کافی ہیں:

1. شریعہ بینچ کے تمام جج علمائے شریعت نہیں تھے، بلکہ اس میں انگریزی قانون دان بھی شامل تھے۔ بھلا انگریزی قانون دانوں کا اس میں کیا کام؟
2. شریعہ بینچ اپنے فیصلوں میں اتھارٹی نہیں تھا، بلکہ اس کا ہر فیصلہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جا سکتا تھا اور وہاں خالص انگریزی قانون جاننے والے ججوں کا اقتدار تھا۔ یعنی شریعت کی روشنی میں ایک فیصلہ ہوا لیکن اس کے بعد یہ شریعت سے نابلد انگریزی قانون جاننے والے جج کے سامنے پیش ہو گا اور حتمی فیصلہ شریعت سے نابلد جج کا ہو گا۔
3. شریعہ بینچ کا دائرہ کار بھی محدود تھا، وہ ہر قسم کے معاملات کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جہاں تک حدود آرڈیننس کا تعلق ہے تو اس کے حقیقی اسلام سے دوری کے لیے بھی تین باتیں کافی ہیں:

1. پہلی بات یہ ہے کہ 'حدود آرڈیننس' میں بہت سی جگہیں ایسی ہیں جو شریعت کے متعین کردہ حدود کے احکامات کے موافق نہیں ہیں، بلکہ اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک پاکستان میں حد تو کوئی نافذ نہیں ہوئی، بلکہ حدود کے تمام مقدمات میں 'حدود آرڈیننس' کے مطابق تعزیرات ہی جاری ہوتی رہی ہیں۔[51]

---

[51] شریعت نے جن جرائم کو قابلِ حد قرار دیا ہے، وہاں حد کی سزا متعین ہوتی ہے۔ جب جرم ثابت ہو جائے تو حد ہی نافذ ہوتی ہے اور ثابت نہ ہو تو کوئی سزا نہیں۔ جبکہ یہ عجوبہ ہمارے ملکِ پاکستان میں ہو تا رہا ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت گواہ پورے نہ ہونے کی وجہ سے حد کی سزا تو جاری نہیں ہوتی لیکن گواہوں کے بغیر جرم ثابت کر کے تعزیری سزا دے دی جاتی ہے۔

2. دوسری بات یہ ہے کہ حدود کی سزائیں تو تجویز کی ہیں، لیکن فیصلے کا سارا عمل، گواہوں کی جانچ پڑتال، ثبوت کی فراہمی... سب تعزیراتِ پاکستان کے انگریزی قانون کے مطابق ہے۔
3. فیصلے کرنے کے لیے شریعت سے واقف قاضی متعین نہیں ہوئے، بلکہ انگریزی قانون جاننے والے جج حضرات حدود کے مقدمات کا بھی فیصلہ سناتے رہے۔

اگر حدود آرڈیننس جاری کرنے والے واقعی اسلام لانے کی کوشش کر رہے ہوتے تو اولاً قوانین علمائے کرام کی رہنمائی میں بناتے اور ثانیاً ان قوانین کے مطابق فیصلوں کے لیے شریعت جاننے والے قاضیوں کا تقرر کرتے، انگریزی قانون جاننے والے ججوں کو برطرف کرتے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ اسلام صرف حدود آرڈیننس تک ہی محدود ہو گیا، پورے کا پورا ریاستی ڈھانچہ اور تمام انگریزی قوانین کیوں نہ شریعت کے احکامات سے بدلے گئے۔ معیشت کے حوالے سود کا معاملہ جب اٹھایا گیا تو حکم جاری کر دیا گیا کہ اسے اگلے دس سال تک کوئی نہیں چھیڑے گا۔

یہ وہ باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں اسلامائزیشن کی کوششیں بھی ماضی کی طرح محض مسلمانانِ پاکستان کی آنکھ میں دھول جھونکنے کے برابر تھیں اور اصل مقصد معاشرے کی فضا دیکھتے ہوئے ...اسلام کا نام استعمال کرتے ہوئے... اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا اور ریاست پر فوجی گرفت مضبوط کرنا تھا۔

جنرل ضیاء الحق کی موت اور جنرل اسلم بیگ کی حکمتِ عملی

اگست ۱۹۸۸ء میں ضیاء اپنے چند سینئر افسروں سمیت ہوائی جہاز کے حادثے میں مارا گیا۔ ملکی حالات فوج کے لیے سازگار نہ رہے تھے۔ پاکستانی عوام فوجی اقتدار سے تھک چکے تھے۔ جنرل ضیاء الحق کا نائب 'وائس چیف آف آرمی اسٹاف' جنرل اسلم بیگ تھا۔ اس نے ضیاء کی موت کے بعد چیف آف آرمی اسٹاف کا عہدہ سنبھال لیا اور بجائے خود اقتدار میں آنے کے، عام انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کی تاریخ میں جنرل اسلم بیگ نے جرنیلی حکمتِ عملی تبدیل کی اور طے کیا کہ آئندہ ملکی حالات میں فوج پس پردہ رہتے ہوئے اپنا اقتدار

بر قرار رکھے گی اور براہِ راست حکومت میں آنے سے بچے گی۔ یہ حکمتِ عملی بہت کامیاب رہی۔ اگلے گیارہ سالوں میں جرنیلوں نے نام نہاد جمہوری حکومتوں اور حکمرانوں کو سامنے رکھا اور ان کی ڈوریں پس پردہ اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔ جنرل اسلم بیگ کے بعد جنرل آصف نواز، جنرل عبد الوحید کاکڑ اور جنرل جہانگیر کرامت اسی حکمتِ عملی پر کاربند رہے۔ پاکستان میں وہی ہوتا رہا جو جرنیلوں نے چاہا، خارجہ وداخلہ پالیسی جرنیلوں کے مطابق چلی۔

گیارہ سال بعد ۱۹۹۹ء میں ایک مرتبہ پھر جنرل پرویز مشرف نے اقتدار اپنے قبضے میں لے لیا۔ ہم چاہتے تو اس تمام دور پر بھی تفصیلی کلام کرتے، لیکن چونکہ یہ قریب کے زمانے کی بات ہے اور ہر پاکستانی مسلمان کے سامنے جنرل پرویز کی حقیقت اچھی طرح واضح ہے، اس لیے یہاں اس پر گفتگو نہیں کر رہے۔ جنرل پرویز نے تو رہی سہی کسر پوری کر دی اور اس نئی صدی میں 'دہشت گردی' کے نام پر امریکہ نے جو اسلام و مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کی تو اس میں بھی جنرل پرویز نے پورے پاکستان کو دھکیل دیا۔ یوں اس ملک میں جرنیلوں نے اب امریکی وفاداری میں 'اسلام' کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز کر دیا اور دینی طبقے کو اپنے نشانے پر رکھ لیا۔ جنرل پرویز کے بعد آنے والے فوجی جرنیل بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں اور پوری ریاستی مشینری کو اپنی گرفت میں لے کر انھی خطوط پر چلا رہے ہیں۔

آخری بات؛فوجی جرنیل پاکستان کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتے، بلکہ وہ اس کی تباہی کا باعث ہیں!

آخری اور حتمی بات یہ ہے کہ اس ملکِ پاکستان کو سنبھالنے والے نہ وہ سیاسی خاندان ہیں جو پچھلے ستر سالوں سے اس ملک کی سیاست کا حصہ ہیں اور جنھوں نے ہر چڑھتے سورج کو سلام کیا ہے، اور نہ وہ جرنیل طبقہ ہے جس نے اس ملک کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ پاکستان کا تحفظ اور دفاع نہ جمہوریت کے کفری نظام میں ہے اور نہ جرنیلوں کی وردی میں ہے۔ ان دونوں طبقات نے اس ملک کے مسائل کو روز افزوں بڑھایا ہے اور اس ملک کی تنزلی کو بڑھانے میں ہی اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ہر مرتبہ جب کسی سیاستدان یا جرنیل کے ہاتھ سے ملکی معاملات نکلنے لگے، عوام مشتعل ہو کر مخالف ہونے لگے، ادارے باہم گھتم گھتا ہو گئے تو وہ اپنی شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوا۔ صدر ایوب خان کا آخری خطاب دیکھیے، جنرل یحییٰ کا آخری خطاب دیکھیے، جنرل ضیاء کو تو خطاب کا موقع ہی نہ ملا اور جنرل مشرف کا آخری خطاب دیکھیے، سب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ جرنیل طبقہ اس ملک میں اپنی من مانی کر سکتا ہے، ملک کے عوام کو بھیڑ بکریاں سمجھ کر انھیں ادھر ادھر ہانک سکتا ہے، اپنی تجوریاں بھر کر اپنی زندگی کو پر تعیش تو بنا سکتا ہے، لیکن اس ملک کی خوشحالی، ترقی اور یہاں اسلام نافذ کرنے کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ طبقہ ہزار حب الوطنی کا دعویٰ کرے، لیکن جب مقصود محض اپنی دنیا ہے تو وہ ہرگز مسلمانوں کے مفاد اور ملکی مفاد کا خیال نہیں رکھتا، بلکہ ذاتی مفاد کو ان سب پر ترجیح دیتا ہے۔

جنرل راحیل شریف اور اس کا جانشین ’قادیانیت نواز‘ جنرل قمر جاوید باجوہ

جو جرنیل بھی آیا اور جس نے بھی سیاستدانوں کو اپنے ڈنڈے سے چلایا، اس نے اس ملک کے حالات مزید دگرگوں کیے، معیشت تباہ کی، بے دینی کو فروغ دیا، اہلِ دین طبقے پر سختی کی اور دین پر عمل کرنا تک دشوار

کر دیا، اس ملک کی حقیقی منزل لا الہ الا اللہ کو مزید دور کیا اور امریکہ سمیت عالمی طاقتوں کو کھل کر مظلوم مسلمانوں سے کھیلنے کا موقع دیا... ہاں اگر کوئی مقصد حاصل ہوا تو یہ کہ فوج خوب پھلی پھولی، فوجی معیشت مضبوط ہوئی، جرنیلوں کے سوئس اکاؤنٹ بھر گئے، کور کمانڈرز 'کروڑ' کمانڈرز بلکہ 'ارب' کمانڈرز بنے اور مسلمانانِ پاکستان کو غلام بنانے اور ان کا خون پینے کے لیے مزید چاق و چوبند ہو گئے۔

اس ساری تاریخ کو بیان کرنے کا مدعا یہی تھا کہ ہم بحیثیتِ 'پاکستانی مسلمان' اس امریکہ غلام اور اسلام دشمن فوج کا کردار سمجھ جائیں... اور آج جو میڈیا ایک خبیث انسان جنرل راحیل شریف کو 'سپہ سالار' بنا کر پیش کر رہا ہے اور جس نے ان تین سالوں میں پاکستانی سیاست کو اپنے شکنجے میں لیے رکھا، جس کی حب الوطنی اور ملکی حفاظت کا ڈنکا بجایا جا رہا ہے، اس کا کردار قطعاً اپنے پیش رووں سے مختلف نہیں... بلکہ وہ اپنے پیش رووں سے کئی قدم آگے جا رہا ہے۔

- اس کے پیش رووں نے تو 'منافقت' کی حد تک اسلام کا نام لیا، لیکن اس نے تو '۲۱ویں ترمیم' پاس کر کے 'اسلام' کو اس ملک میں اچھوت بنا دیا ہے اور 'پاکستان بل' کے نام پر دینداری کو ہی 'جرم' قرار دے دیا۔
- اس کے پیش رووں نے تو اس ملک کو صرف 'امریکہ' کا غلام بنایا، یہ 'امریکہ' کے ساتھ ساتھ 'چین' کا غلام بنانے پر بھی تل گیا اور ملکی معیشت پر 'چین' کو قبضہ دے دیا۔
- اس کے پیش رووں نے تو اس ملک پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے اپنے مخالفین کو محض جیلوں میں ڈالا تھا اور ایک ذوالفقار کا قتل ضیاء کو مہنگا پڑ گیا تھا، لیکن اس نے ملک کے طول و عرض میں اسلام پسندوں اور سیاسی مخالفین کو بڑی تعداد میں ماورائے عدالت قتل کروایا اور یہ سلسلہ ہنوز رکنے کا نام نہیں لے رہا۔
- اس کے پیش رووں نے تو قبائلی مسلمانوں کو... منافقت سے سہی... اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، لیکن اس نے پے در پے آپریشن کر کے انھیں بے دریغ قتل کیا اور انھیں دربدری پر مجبور کیا۔ آج کئی لاکھ پاکستانی مسلمان اپنے ہی زمین پر 'مہاجر کیمپوں' میں تنگ دستی کی زندگی گزارنے پر مجبور

ہیں۔

- اس کے پیش روؤں نے نام کی حد تک تو اپنے سرکاری کاغذات میں بھارت کو اولین دشمن قرار دے رکھا تھا، اس نے اپنے جانشین جنرل قمر جاوید باجوہ کے ساتھ مل کر فوج کے ڈاکٹرائن میں اولین دشمن ’’دہشت گرد‘‘ مجاہدینِ پاکستان کو قرار دیا اور پوری فوج کی ساخت کو پاکستان میں مجاہدین کے خلاف جنگ کے لیے از سرِ نو منظم کیا۔
- اس کے پیش روؤں نے پاکستان میں صحافت پر قدغنیں لگائیں اور کئی ہتھکنڈوں سے ان کی آزادی کو محدود کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے تو پوری ملکی صحافت کو فوج کے آئی ایس پی آر کے تابع فرمان کر دیا۔
- اس کے پیش روؤں نے بھی مذہبی منافرت پھیلانے والے مواد پر پابندی کے تحت قادیانیت کے خلاف مہم کی روک تھام کی تھی، لیکن اس نے تو ’جہاد‘ ہی کو منافرت قرار دے دیا اور سیرت و تفسیر تک کی کتابوں پر اُس وطن عزیز ’پاکستان‘ میں پابندی لگائی جس کا قیام ہی اس وعدے پر وجود میں آیا تھا کہ یہاں قرآن کا قانون اور سیرت کی زندگی ہو گی۔[52]

جنرل راحیل شریف نے تو پاکستان میں اسلام کا جنازہ نکال دیا اور اسلام دشمنی کی تمام حدیں پار کر دیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کا جانشین جنرل قمر جاوید باجوہ جہاں جہاد و مجاہدین دشمنی اور بھارت نوازی میں معروف مشہور ہے، وہاں وہ اگر خود قادیانی نہیں تو قادیانیت نواز ضرور ہے۔ اس کے بارے میں صحافتی دنیا میں یہ باتیں گردش کر رہی ہیں کہ اس کے بیشتر رشتہ دار قادیانی ہیں اور اس کے سربراہ بننے سے پاکستان میں قادیانیت کو فروغ اور قادیانیوں کو قوت ملے گی۔ افسوس کہ پاکستان کا آئین جس طرح اقتدارِ

[52] جنرل ایوب خان نے اپنے دور میں قادیانیت کو تحفظ دینے کے لیے مذہبی منافرت پھیلانے والے مواد پر پابندی عائد کی تھی۔ جبکہ جنرل راحیل شریف کے دور میں تو حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی ’سیرت المصطفیٰ‘، مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی ’آپ کے مسائل اور ان کا حل‘ اور آیاتِ جہاد کی تفاسیر سمیت بے شمار دینی کتب ’پابندی‘ کی زد میں آئیں۔

اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو سونپنے کے بعد بھی نفاذِ اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسی طرح قادیانیت کو اقلیت قرار دینے کے باجود پاکستان کو قادیانیت کے قبضے میں دیا جارہا ہے، اور اس کام کی تمام تر ذمہ داری اسی مکروہ فوج نے اٹھا رکھی ہے۔

'پاکستان' کے حقیقی محافظ اور خیر خواہ 'مجاہدین' ہیں!

مسلمانانِ پاکستان کو جاننا چاہیے کہ وطنِ عزیز میں امن و خوشحالی، فلاح و ترقی اور اس کا تحفظ 'لا الہ الا اللہ' کے نفاذ میں ہے، وہ لا الہ الا اللہ... جس کے لیے ستر سال قبل یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ یہ وہ شریعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے چودہ صدیاں قبل اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ پر نازل کیا تھا۔ پاکستان میں اس تبدیلی اور نفاذِ شریعت کا راستہ 'جہاد' وانقلاب ہے اور پاکستان کی اصل منزل 'لا الہ الا اللہ' کے حصول کے ضامن صرف 'مجاہدین' ہیں جنھوں نے اس سے قبل 'روس' کو شکست دی اور آج 'امریکہ' و'اسرائیل' سمیت تمام عالمی طاقتوں کے مقابل دنیا کے مختلف محاذوں پر ڈٹے ہوئے ہیں، جنھیں دنیا 'القاعدہ' اور 'طالبان' کے نام سے جانتی ہے اور جن کی قیادت امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ہاتھ میں ہے۔ پاکستان میں بھی یہی طبقہ مسلمانانِ پاکستان کی امنگوں کا نگہبان ہے اور یہی طبقہ اس ملک میں اسلام و شریعت کے نفاذ کا علمبردار ہے۔ ستر سال گزر جانے کے بعد پاکستان کے اہلِ دین عوام کو جرنیلوں، جاگیرداروں اور جمہوری سیاستدانوں سے مزید دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور اپنی حقیقی منزل اور اس کے حصول کے راستے کو پہچاننا چاہیے۔ اور وہ راستہ پاکستان کے جمہوری نظام کے انہدام اور حکمرانوں اور جرنیلوں کے خلاف زبان و قلم استعمال کرنا، سڑکوں پر نکلنا اور ان کے خلاف قتال کرنا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!